ریاستیں اس کے نقش قدم پر چلیں۔

سرکار والا کا نہایت وفادار

(انگریزی سے ترجمہ) شیخ محمد عبداللہ

اس خط میں شیخ صاحب مہاراجہ سے مخاطب ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اس سے قطع نظر میں سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں اور میری پارٹی سرکار والا کی ذات، شاہی خاندان یا تخت شاہی کے کبھی بھی بدخواہی کے جذبے نہیں رکھتے تھے۔ یہ یقین ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ مہاراجہ نے جب انہیں وزارت میں لینا نہیں مانا تو شیخ عبداللہ ان کے خلاف جو کچھ بھی کہہ گئے وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ ملاحظہ ہو اُن کے وہ بیانات جو انہوں نے "کوئٹ کشمیر" کے سلسلے میں مقدمہ بغاوت کے دوران دیئے ہیں۔

"ایک حقیر رقم میں ایک بنئے کو یہ ملک بیچ ڈالا ہم روپیہ جمع کریں گے اور اس کو دے کر کہیں گے کسی گاؤں میں جاؤ اور یہ جگہ خالی کرو..... اس بیعنامہ نے ہماری قوم کو تباہ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کہیں "کشمیر چھوڑ دو، بیعنامہ توڑ دو" ہمارا حق ہے کہ ڈوگرہ حکومت سے آزادی کا حق حاصل کریں۔ (۱۰ مئی ۱۹۴۶ء)

انہوں نے اپنے بیان میں عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آپ کا فرض ہے کہ اپنی تحریک کو ایک مقصد پر رکھیں، آپ پر فرض ہے کہ سب کو دعوت دیں اور کہیں کہ ہمیں ڈوگرہ شاہی سے آزادی حاصل کرنی ہے۔ خواہ اس میں آپ کی جان، دولت، مکان جائداد تباہ ہو جائے اس سے زیادہ اچھا وقت اور کوئی نہیں کہ ڈوگرہ شاہی کو ختم کریں..... مہاراجہ گلاب سنگھ کے وارثوں کو اس ملک میں کوئی حق نہیں ہے ہم انگریزوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو اس ملک میں راج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ایک ٹھوک فروش نے ہمیں خریدا اور پرچون فروشوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱۲ مئی ۱۹۴۶ء)

میں نے اب یہ اچھی طرح محسوس کیا ہے یہاں پر ہم تب تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ڈوگرہ شاہی کا خاتمہ نہ ہو۔ (۱۴ مئی ۱۹۴۶ء)

"ہم سو سال بعد اس ڈوگرہ راج کو ختم کریں گے۔ جنگ کا بگل بجا ہمیں ہے کسی وقت بجے گا یہ لڑائی ۱۹۴۶ء میں اس شرمناک غداری کے ساتھ ہے

جس کا انتقام لینا ہے ـــــ اس ملک میں انہیں راج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس حق کے لیے ہمیں انتہائی قربانی دینی ہوگی۔ جب تک ہم اس غلامی سے آزاد نہیں ہو جاتے تب تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۶ء۔

عدالت اور عدالت سے باہر اس قسم کے بیانات دینے والا اگر ڈوگرہ شاہی کے تخت و تاج کا محافظ اور ڈوگرہ حکمرانوں کا وفادار اور تابعدار رہنے کا تحریری بیان دے تو اُسے کیا کہیئے؟

صاف ظاہر ہے کہ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک محض ایک ڈرامہ تھا اور کچھ نہیں یہ تحریک مہاراجہ بہادر کو بلیک میل کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ مطلب شودہ صرف چرس تھا۔ انہیں وزیر اعظم کا عہدہ چاہیئے تھا جو مہاراجہ نہیں دے رہا تھا۔

شیخ عبداللہ کا یہ خط جن باتوں کو آشکارا کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ بیرون ممالک کے ان اشخاص کو بھی صریحاً دھوکہ دے رہے تھے۔ جو ان کے "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے پر اُن کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دے کر شیخ عبداللہ خود جیل میں چلے گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی تابعداری اور اُن کے تخت و تاج کی پاسداری کی دہائی دینے کے لیے بہت نیچے تک چلے گئے۔ صاف ظاہر ہے کہ "کوئٹ کشمیر" کے بارے میں ان کی نیت ہرگز صاف نہیں تھی۔ لیکن اُن میں اتنی بھی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے اُن لوگوں کو مصائب و مشکلات سے نجات دلاتے جو ان کے "کوئٹ کشمیر" کے نعرے پر مرمٹنے تھے۔ جو کوڑے کھاتے ٹکٹکیاں لے لیتے تھے۔ "کوئٹ کشمیر" کی تحریک میں کشمیری عوام پر مہاراجہ کی فوج کے ہاتھوں جو درگت ہو رہی تھی اور اُن کا جو اثاثہ لوٹا جا رہا تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کشمیری عوام ظلم و جبر کی چکی میں پسے جا رہے تھے اور اُن کا لیڈر مہاراجہ کی تابعداری اور وفاداری کا دم بھر رہا تھا۔ وہ اُن کے تخت و تاج کی پاسداری کا اُنہیں یقین دلا رہا تھا۔

اس خط کو پا کر مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری ڈاکٹر چوپڑہ کو بھدرواہ روانہ کیا جہاں کے سب جیل میں شیخ عبداللہ نظر بند تھے۔ ڈاکٹر چوپڑہ نے یہاں شیخ صاحب کے سامنے وہ تجویزیں رکھیں جو مہاتما گاندھی اور اچاریہ کرپلانی نے ان کی رہائی کے بارے میں مہاراجہ بہادر کے سامنے رکھ دی تھیں۔ شیخ عبداللہ مہاراجہ

پاکستان کے پاس خود اپنے عوام کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ اپنے ساتھ ملا کر ہمیں کیا دے گا۔" انہوں نے محمد علی جناح پر الزام لگایا کہ

"انہوں نے کوئٹ کشمیر" تحریک کے دوران ہمیں روسی ایجنٹ اور غنڈے کہہ کر ہماری تضحیک کی برعکس اس کے پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی نے نہ صرف ہماری حمایت و مدد کی بلکہ ہماری خاطر نہرو نے جیل جانے سے بھی گریز نہیں کیا میں اُن کا اور گاندھی جی کا نہایت ہی مشکور ہوں جو آڑے وقت میں ہمارے کام آئے ..... لیکن کشمیر کا مسئلہ حل کرنے اور مستقبل کا فیصلہ کرنے میں ہمارے سامنے نہ مسٹر جناح کی دشمنی حائل ہو سکتی ہے اور نہ پنڈت نہرو کی دوستی کا لحاظ رکھا جائے گا۔"

شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے دوران وادی کے پاکستان نوازوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آج پاکستان ایک حقیقت ہے جو لوگ یہاں پاکستان کے ساتھ ریاست کی شمولیت کے بارے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اس کے حق میں نعرے لگاتے ہیں انہیں اس کے ردِ عمل پر غور کرنا چاہیئے کہیں یہاں بھی ویسے ہی حالات پیدا نہ ہوں جن سے برصغیر ہند و پاک آج دوچار ہے۔"

اس طرح شیخ عبداللہ نے واضح مگر مبہم الفاظ میں عوام کے سامنے اپنے دل کی بات تو کہہ دی لیکن الفاظ کے گورکھ دھندوں میں انہیں ایسا الجھا دیا کہ وہ اُن کی ایک گھنٹے کی تقریر میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکے البتہ تاڑنے والے جو قیامت کی نظر رکھتے ہیں انہوں نے شیخ عبداللہ کا نظریہ نہ صرف مسترد کیا بلکہ اُن کے خلاف سخت ترین ناراضگی کا بھی اظہار کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر کے آغاز پر سفید جھوٹ کا سہارا لیا۔ ان کا یہ کہنا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا اور نہ میں جانتا ہوں مجھے رہا کیوں کیا گیا ؟ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے انہیں "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ لگانے پر گرفتار کیا گیا ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا عدالت نے انہیں تیس سال قید کی سزا سنائی وہ سزا کاٹ رہے تھے کہ مہاتما گاندھی نے سرینگر آ کر مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس ان کی رہائی کی سفارش کی

اور مہاراجہ کو اس بات کا وعدہ دیا کہ اگر آپ شیخ عبداللہ اور اُن کے قریبی چند ساتھیوں کو وزارت کی ہڈی چبانے کے لیے دیں گے تو وہ نہ صرف شور مچانے سے اعتراض کریں گے بلکہ آپ کے تابعدار اور وفادار رہیں گے۔ گاندھی جی کی اس تجویز کی تصدیق کے لیے مہاراجہ نے اپنے برادر نسبتی ٹھاکر پنت چند اور پرسنل سیکرٹری ڈاکٹر چوپڑہ کو بھدرواہ بھیجا یا جہاں کے سب جیل میں شیخ عبداللہ نظر بند تھے۔ شیخ صاحب نے مہاراجہ کا وفادار اور تابعدار رہنے کے ساتھ ان کے تاج و تخت کا محافظ بننے کا اقرار کر لیا تو انہیں بادامی باغ چھاؤنی لایا گیا۔ یہاں اُن سے وفاداری کا اقرار نامہ لے کر رہا کیا گیا۔ یہ سب کچھ جان کر بھی کہا جائے" مجھے معلوم نہیں مجھے کس لیے گرفتار کیا گیا اور کیوں رہا کیا گیا -؟ جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ۲۵ سیران "کوئٹ کشمیر" کو مجاہد منزل میں عوام سے متعارف کرایا گیا ان میں مرزا محمد افضل بیگ، کیشپ بندھو، سردار بدھ سنگھ، صوفی محمد اکبر، علی محمد طارق، شیام لال صراف، ماسٹر عبدالعزیز، گیانی سنت سنگھ اور مولانا مسعودی کے ساتھ دوسرے لیڈر بھی شامل تھے۔

اس موقع پر شیخ صاحب نے الحاق کے موضوع پر خیال آرائی کر کے اپنی دلی کیفیت کا بڑی ہوشیاری سے اعادہ کیا نظریاتی طور پر اپنے مخالفین سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ پاکستان ریڈیو سے ایسی خبریں نشر نہ کرائیں جس سے اس پروپگنڈے کو تقویت ملے کہ شیخ صاحب اور حکومت کشمیر کے درمیان خفیہ معاہدہ طے پایا ہے۔ اس سے وہ ہمارے جذبات کو انگیخت کرتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اشتعال میں آ کر ہم کہہ دیں گے "جاؤ ہم ہندوستان میں شامل ہو جائیں گے۔"

بقول رشید تاثیر زیرک اور دانا کشمیری قوم شیخ عبداللہ کے مافی الضمیر کو سمجھتے تھے۔

ان سے واشگاف الفاظ میں مسئلہ الحاق کے بارے میں وضاحت سے سننا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس زمرہ کے خوش فہموں کو بساط سیاست کی باریکیوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے شیخ صاحب نے ۱۹ اکتوبر کو حضرت بل کی تقریر میں گورنر جنرل پاکستان محمد علی جناح پر شدید نکتہ چینی کی اور اس کے ایک سابقہ بیان کو اپنے موضوع سخن کا محور بنایا۔ جس میں کہا گیا تھا مسلم لیگ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینے والی پالیسی کو ترک

عوام کو بنیادی حقوق کے خلاف سمجھتی ہے۔

اگر ہماری ریاست نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو اس اعلان کے رو سے ہمیں جاگیردارانہ نظام کا غلام رہنا پڑے گا۔

یہ کہتے ہوئے شیخ عبداللہ بھول گئے کہ ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کرنے والی تمام ریاستوں کے عوام نے اندرونی آزادی اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کی اُمید پر ہی ڈومینین سے الحاق کیا ہے۔ شیخ تو یہ ہے ان دِنوں شیخ صاحب کے رگ وپے میں کانگریسی لیڈروں کی قربت اس حد تک سموئی تھی کہ فیل بے مہار کی طرح ابن الوقت اور چاپلوس کے واحد لیڈر کے نعرے سے جھومنے لگے جس سے ان کی مُدبرانہ صلاحیتوں کا کم اور وقتی جوش وخروش کا زیادہ مُظاہرہ ہونے لگا۔"

شیخ محمد عبداللہ کی تمام سزائیں معاف کر کے جب اُنہیں جیل سے رہا کیا گیا تو اُس کا سارا کریڈٹ انہوں نے کانگریسی رہنماؤں کو دیا۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریروں کے ذریعے پاکستان کو دشمن اور ہندوستان کو اپنا دوست کہنا شروع کیا تو بھارتی رہنماؤں نے اطمینان کا سانس لیا، پنڈت نہرو نے فوری طور پر پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ شیخ صاحب سے مل کر ان کے خیالات معلوم کر سکیں، پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے نام کاچرو صاحب کے ہاتھ ایک خط بھی روانہ کیا۔ ان دنوں پنڈت کاچرو آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ جب وہ سرینگر میں شیخ صاحب سے ملے تو انہوں نے پنڈت نہرو کو ایک خط لکھا۔

سرینگر ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

پیارے پنڈت جی!

میں گزشتہ چار دن سے یہاں ہوں اور اُمید ہے کہ سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس آؤں گا۔ یہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) شیخ صاحب اور اُن کے نزدیکی ساتھیوں نے ہندیونین کے حق میں فیصلہ لیا ہے۔

(۲) مگر ابھی اس فیصلہ کا اعلان نہیں کیا گیا اور یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ابھی تک نیشنل کانفرنس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

(۳) نیشنل کانفرنس کے بیشتر لیڈر جیلوں میں ہی ہیں صرف شیخ عبداللہ کو رہا کیا گیا ہے۔

(۴) شیخ صاحب نے یہ کہا ہے کہ تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں اور ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کی میٹنگ منعقد ہونا ممکن بنائی جائے تاکہ عوام کے سامنے جو مسئلہ ہے اُس کا فیصلہ ہو سکے۔

(۵) فی الحال شیخ صاحب نے تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا ہے تاکہ نیشنل کانفرنس جو لاابدی فیصلہ کرنے والی ہے اُس کے حق میں رائے عامہ تیار ہو سکے۔

(۶) تقاریر میں کہا جا رہا ہے کہ ہندو اور مسلمان کا قتل ہوا ہے وہ دونوں مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے الحاق کا فیصلہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کشمیریوں کی مصیبت کے وقت اور ان کی جدوجہد آزادی میں اگر کسی نے ساتھ دیا تو وہ گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور کانگریس ہی تھی۔ مسلمانوں نے یا مسلم لیگ نے یا مسٹر جناح نے کبھی ہماری حمایت نہیں کی یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح لوگوں کی نظروں میں ایسے پیش کیے جائیں کہ انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی مخالفت کی ہے اور وہ والیان ریاست کی طرفداری کرتے ہیں۔

(۷) اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ کشمیر نیشنل کانفرنس کا نصب العین یہ ہے کہ سرداری عوام کو منتقل ہو اور مہاراجہ صرف آئینی حکمران رہے اور الحاق کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت بھی یہی اصول مدنظر رکھا جائے گا۔ مختصر یہ کہ وہ اس ڈومینین کے ساتھ الحاق کریں گے جو ان کے نصب العین کو حاصل کرنے میں مدد دے۔

(۸) ایک اہم بات جس کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے وہ یہ کہ ریاستی نظم ونسق بالکل درہم برہم ہو چکا ہے۔ خوف وہراس چھایا ہوا ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی قابل شخص بات چیت کے لیے موجود نہیں ہے نا ہی مہاراجہ نے تاحال شیخ صاحب سے شروع کرنے کی جانب کوئی قدم بڑھایا۔

(۹) مہاراجہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کا نااہل ہے۔ شیخ صاحب نے مہاراجہ کو ایک عمدہ خط بھیجا ہے۔ مہاراجہ نے بھی شیخ عبداللہ اور بیگم عبداللہ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ مگر اس طرف مزید پیش رفت نہ حکومت کی طرف سے

ہوئی ہے اور نہ مہاراجہ کی جانب سے۔

(۱۰) ان حالات نے شیخ عبداللہ کو پے قرار کر دیا ہے اور اس کے ساتھیوں کی مسلسل نظر بندی کی وجہ سے معاملہ اور بھی سنگین بنتا جا رہا ہے۔

(۱۱) شیخ صاحب یہ محسوس کرتے ہیں انہیں فوری طور پر کافی حد تک اقتدار منتقل کیا جائے ورنہ نیشنل کانفرنس کی پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی۔ لیگ کا مقابلہ کرنا ریاست میں امن و عامہ قائم رکھنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ہندیونین کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ تصفیہ کیا جائے۔

(۱۲) نیشنل کانفرنس کا بدل صرف مسلم فرقہ پرست جماعت ہی ہو سکتی ہے اس لیے نیشنل کانفرنس زور دے رہی ہے اسے ریاست کے انتظامیہ کے متعلق اعتماد میں لیا جائے اور نظم و نسق کے اختیارات سونپے جائیں۔

(۱۳) اقلیتوں کے ترقی پسند طبقہ کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں۔

(۱۴) کشمیر نہایت خطرناک حالات سے دوچار ہے اور جب تک کانگریس مضبوط قدم اُٹھا کر مہاراجہ کو نیشنل کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتی تب تک کشمیر کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مسلم لیگ کے لیڈروں یا پرائیویٹ ہتھیار بندوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے نہیں روک سکتی۔

(۱۵) شیخ صاحب کو آج آپ کا خط مل گیا اور کل تک اس کا جواب تیار کر لیا جائے گا۔

(۱۶) غالباً میں سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس آؤں گا اور شیخ صاحب کا خط ساتھ ہی لیتا آؤں گا یہ ایک خط طویل خط ہوگا جس میں نیشنل کانفرنس کے کیس پر پوری روشنی ڈالی جائے گی۔

(۱۷) شیخ صاحب کی زبردست خواہش تھی کہ وہ دہلی آ کر آپ سے مل سکیں مگر یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ ابھی مزید چند روز اُس کا دہلی آنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے انہوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں واپس جا کر آپ کو اور سردار پٹیل کو سب حالات سے آگاہ کروں۔

(۱۸) مجھے تو یہ یقین ہے کہ ہم سب سے زیادہ بہتر آپ خود ان حالات کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے ہم خیال بن سکیں گے۔

(۱۹) میرا خیال ہے کہ آپ یہاں کے حالات کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔

آپ کا

دوارکا ناتھ

وادی کشمیر میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قبائلی حملہ آور کشمیر پر زور طاقت قبضہ کرنے کی کوشش نہ کرتے اور پاکستانی حکمران قبائلی حملہ آوروں کو یہاں بھیج کر تباہی نہیں چاہتے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ شامل ہو گیا ہوتا نہیں تو یہ ایک آزاد مملکت ہوتا دراصل شیخ عبداللہ نے قبائلی حملے کی آڑ میں اپنی تقریروں کے ذریعے یہی تاثر دیا جسے لوگوں نے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا۔ حالانکہ حالات اور واقعات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شیخ عبداللہ ہمیشہ کی طرح جھوٹ اور غلط باتیں بتا کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے، قبائلی حملہ ۲۲ اکتوبر کو ہوا جبکہ دوارکا ناتھ کا چرو مہر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پنڈت نہرو کے نام خط میں ایک طرح سے اس سازش کو ننگا کر رہا ہے جو بھارتی لیڈروں کے ساتھ شیخ عبداللہ کشمیری عوام کے خلاف کر رہے تھے۔ کشمیری عوام کے ساتھ دُنیا کو دھوکہ دینے کے لیے کہا جا رہا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے لیکن پنڈت نہرو کو دوارکا ناتھ کا چرو کے ذریعے اطلاع پہنچائی جا رہی ہے کہ ہم نے ہندیونین کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ابھی ہم اس کا اظہار نہیں کر رہے ہیں شیخ عبداللہ نے قبائلی حملے کے بعد متعدد بار اس بات کا برملا اظہار کیا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کر سکتے ہیں لوگوں سے اس بارے میں رائے لی جائے گی جبکہ پنڈت نہرو کو انہوں نے مطلع کیا کہ ہندیونین کے ساتھ الحاق کا جو لا ابدی فیصلہ ہم کرنے والے ہیں اس کے لیے رائے عامہ منظم ہو سکے۔

پاکستان اور پاکستانی لیڈروں کے بارے میں قبائلی حملے سے بہت پہلے شیخ عبداللہ کی نیت خراب تھی اور وہ پاکستان اور پاکستانی لیڈروں کو کشمیری عوام کے سامنے دشمن کے روپ میں پیش کر رہے تھے ان کی اس خراب نیت کا واضح ثبوت بھی اس خط میں مل جاتا ہے جبکہ پنڈت نہرو کو کاچرو صاحب کے ذریعے کہلوایا جا رہا ہے کہ شیخ صاحب تقریروں کے ذریعہ

یہ تاثر دلا رہے ہیں۔ الحاق کا فیصلہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کشمیریوں کی مصیبت کے وقت اور اُن کی جدوجہد آزادی میں اگر کسی نے ساتھ دیا تو وہ گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور کانگریس ہی تھی، مسلمانوں نے یا مسلم لیگ اور جناح نے کبھی ہماری حمایت نہیں کی، یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ اور جناح لوگوں کی نظروں میں ایسے پیش کیے جائیں (انہیں لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے) کہ انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی تحریک کی مخالفت کی ہے۔

اپنے اسی خط میں دوارکا ناتھ کاچرو نے پنڈت نہرو کو شیخ عبداللہ کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ شیخ صاحب یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں فوری طور پر کافی حد تک اقتدار منتقل کیا جائے ورنہ نیشنل کانفرنس کی پوزیشن بہت خراب ہو جائیگی۔ لیگ کا مقابلہ کرنے اور ریاست میں امن عامہ قائم رکھنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ہند یونین کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ تصفیہ کیا جا سکے۔

اس سے شیخ عبداللہ کی اقتدار کی بھوک واضح ہو جاتی ہے۔

بھارتی لیڈروں کو مہاراجہ سے انہیں اقتدار دلانے کا واسطہ دیا جا رہا ہے تاکہ مسلم لیگ کا کچومر نکال دیا جائے۔

دوارکا ناتھ کاچرو کے اس خط سے وہ سازش یقیناً ننگی ہو جاتی ہے جو کشمیری عوام کے خلاف شیخ عبداللہ بھارتی رہنماؤں کے ساتھ مل کر کر رہے تھے۔

مہاتما گاندھی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دہلی کے لیے روانہ ہو گئے تھے راستے میں رات گزارنے کے بعد وہ راولپنڈی پہنچ گئے تھے۔ یہاں بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق اُن سے ملے، مہاتما گاندھی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ایک خط لکھ کر بخشی صاحب کو دیا اور خود گاندھی جی راولپنڈی سے پٹنہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ بقول بخشی غلام محمد، صادق صاحب کے ساتھ مشورہ کر کے میں نے یہ خط کھول کر دیکھنا چاہا۔ ایسا مشورہ کر کے ہم دونوں کی ایسی حالت ہو گئی جیسے ہمارے پاس چوری سے حاصل کی گئی کوئی شے تھی جسے ہم چھپا کر رکھنا چاہتے تھے۔ اس خط کو کھولنے کی جگہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم تنہائی میں جانے کے بجائے راولپنڈی کے پیرس ریسٹورنٹ میں آ گئے اور جب کمال ہوشیاری سے خط کو کھولنے کے لیے گوند کا حصہ پانی سے تر کیا تو ہمیں ایسا لگا ریسٹورنٹ میں بیٹھے

لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ خط کو کھول کر ہم نے ٹھیک طریقے سے اسے بند کیا۔ لیکن پنڈت جی کو جب یہ پیش کیا گیا تو انہوں نے میرے سامنے اس کے کھولنے کے شک کا اظہار کیا۔ میرے چہرے پر سے ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ لیکن میں نے ایسا ٹال دیا گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اس خط میں مہاتما گاندھی نے جواہر لال نہرو کو مہاراجہ ہری سنگھ رام چند کاک اور بیگم عبداللہ سے بات چیت کی تفصیل لکھ دی تھی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے ہیں بیگم عبداللہ نے مجھے یقین دلایا ہے ہم پنڈت جواہر لال نہرو سے برسوں کیے گئے وعدے پر کاربند ہیں۔ بیگم صاحب کا کہنا ہے ہم مسلمان ہیں اور مسلمان جو وعدہ کرتا ہے اُس پر کاربند بھی رہتا ہے۔ ہم پنڈت جی کی امداد کے بے حد ممنون ہیں۔

مہاراجہ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں اور ورکروں کو رہا کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے شیخ عبداللہ سمیت چار ممبران کو وزارتی کونسل میں لینے کی حامی بھر لی اور یہ کام مہاراجہ نے میرے ذمہ رکھا کہ میں اس کے لیے شیخ عبداللہ کو راضی کر لوں، مگر میری مصروفیت تو آپ جانتے ہیں اس لیے پنڈت جی یہ کام آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔"

اس خط کے بارے میں مکمل تفصیل بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں (جو تحریک حریت پر ان کی کتاب بھی ہے) لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے ——— ۱۰ مئی ۱۹۵۴ء کو جب شیخ عبداللہ جیل میں نظر بند تھے میں نے مہاتما گاندھی کا یہ خط پنڈت جواہر لال جی سے حاصل کرنے کیلئے جانکی ناتھ کُنزشی کو بھیجا تاکہ اخبار میں اس خط کی اشاعت سے شیخ محمد عبداللہ اور بیگم عبداللہ کی پوزیشن مضحکہ خیز بنا دی جائے جو ۱۹۴۷ء میں ایک طرف ہندوستان کے ساتھ الحاق کے وعدے پر کاربند تھے دوسری طرف "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کر کے لوگوں کو ڈوگرہ فوجوں کے ہاتھوں مروا رہے تھے اور تیسری طرف مہاراجہ ہری سنگھ کی وزارت میں شامل ہونے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے ——— پنڈت جواہر لال نہرو نے میرا یہ مشورہ ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس طرح ہم پر بھی الزام لگ سکتا ہے کہ ہم نے برصغیر کی تقسیم سے قبل شیخ عبداللہ کو بھارت کے ساتھ الحاق کے لیے راضی کر لیا تھا۔ پنڈت جی کا نظریہ درست تھا۔ اس لیے میں نے اس قسم کے دوسرے خطوط

وغیرہ کی اشاعت کا خیال دل سے نکال دیا۔
بخشی غلام محمد کی یہ ڈائری کہاں اور کس کے پاس ہے؟ اس امانت کے ساتھ کس نے خیانت کی؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمیں ان کے وارثین سے لینا ہوگا۔
دار فانی سے کوچ کرنے سے چند ماہ قبل انہوں نے مجھ سے کہا تھا یہ میں نے پیر فضل مخدومی کو نظر ثانی کے لیے دی ہے۔ مخدومی نے اپنی ڈائری میں اس کا ذکر کیا ہے۔



بخشی غلام محمد

اچھا کیا یہ تیری وفاؤں نے ورنہ ہم
بھولے ہوئے تھے دیر سے دار و رسن کی بات

کشمیر اور پاکستان کا معاہدہ الحاق

"کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دینے سے پہلے جب شیخ محمد عبداللہ لاہور میں تھے تو یہاں مسلم لیگ کے صدر کے ساتھ میاں امیر الدین نے ان کی صلاح کرادی، میاں صاحب نے شیخ عبداللہ کو یہاں تک آمادہ کیا کہ برصغیر کی تقسیم کی صورت میں وہ ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کریں گے۔ بات چیت ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی کہ کرپس مشن کی وادی میں آمد پر شیخ عبداللہ کو لاہور سے سرینگر آنا پڑا۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ وزارت کے معاملے میں اختلاف کرکے "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دیا جس کی پاداش میں انہیں گرفتار ہونا پڑا۔ شیخ صاحب کی گرفتاری پر محمد علی جناح نے کراچی میں بیان دیا تھا۔

"اس وقت جبکہ کشمیر میں دو ناراض گروپ ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے اور آپس میں سمجھوتہ کر رہے تھے شیخ صاحب کی گرفتاری سے اس عمل میں رکاوٹ آگئی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کے اس بیان کو عام نوعیت کا بیان سمجھ کر نظر انداز کیا گیا۔ لیکن جو لوگ جانتے تھے شیخ صاحب اور محمد علی جناح کے درمیان اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی وہ شیخ صاحب کی گرفتاری سے سخت مایوس ہوگئے۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کو بھارت اپنے نقطۂ نظر سے اور پاکستان اپنے نقطۂ نظر سے ڈوگرہ راج کی ملامت اور مذمت کر رہے تھے دراصل شیخ صاحب دونوں کو دھوکہ میں رکھ کر دونوں کے ساتھ معاہدہ الحاق کرنے کا یقین دلا رہا تھا۔

اکتوبر کے مہینے میں جامع مسجد سرینگر میں مسلم کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت چوہدری غلام عباس خان نے کی، اللہ رکھا ساغر، آغا شوکت علی اور مولوی نورالدین نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ممانعت کے باوجود تقریریں کیں۔ پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا ——— قلیل مدت کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔

مولوی عتیق اللہ مولوی یوسف شاہ سے لڑ پڑے کہ آپ نے میرے بیٹے کو گرفتار کروایا۔ دونوں مولویوں کے درمیان یہ لڑائی جھگڑا یہاں تک بڑھ گیا کہ مولوی یوسف شاہ کو مسلم کانفرنس سے علیحدہ کیا گیا۔ چوہدری حمید اللہ نے مولوی نورالدین کو مسلم کانفرنس کا صدر نامزد کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنی رہائی پر جب مولوی یوسف شاہ کے شنٹ آؤٹ ہونے اور مولوی نورالدین کے صدر مسلم کانفرنس بننے کی خبر سنی تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے خواجہ محمد عبڑ کے ذریعے مولوی نورالدین کو مبارکباد کا پیغام بھیجا، اس کے جواب میں مولوی نورالدین کی قیادت میں مسلم کانفرنس کا ایک وفد مولانا مبارکی، منشی غلام رسول خاں، سید غلام شاہ شیخ صاحب سے صورہ میں ملاقی ہوا۔

دوسرے روز سویرے مولوی نورالدین پھر شیخ صاحب سے ملے اور ان دونوں کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ تک بالکل خفیہ ملاقات ہوئی، اگلے روز مولوی نورالدین لاہور روانہ ہو گئے لاہور سے وہ نواب افتخار حسین ممدوٹ کے ساتھ واپس آ گئے۔ یہ دونوں حضرات سیدھے شیخ صاحب کے گھر گئے یہاں ان تینوں کے درمیان چند روز تک کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ کئی حلقے ان کی ملاقاتوں پر مختلف تاویلیں کر رہے تھے۔ بعض لوگ ان ملاقاتوں کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور کئی اصحاب اندر ہی اندر کھیر پکنے کی بشارت دے رہے تھے۔ البتہ جانکار حلقوں کو معلوم تھا یہ پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کی کڑی جوڑنے اور بات چیت کو آگے بڑھانے کی ملاقاتیں ہیں۔ جو بات چیت شیخ صاحب کی گرفتاری کے کارن ادھوری رہ گئی تھیں۔

نواب ممدوٹ کے واپس چلے جانے کے بعد محمد دین تاثیر یہاں آئے اور چوہدری حمید اللہ کے ہمراہ شیخ صاحب سے ملے۔ اگلے روز یہ دونوں شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کا خلاصہ لے کر لاہور چلے گئے۔ لاہور میں یہ دونوں میاں امیرالدین کے

ہاں ٹھہرے۔

میاں امیرالدین جن کے بزرگ محال ہاجی پورہ کولگام کے رہنے والے تھے لاہور میں بس گئے تھے۔ میاں صاحب ایک اعلیٰ پایہ کی شخصیت کے مالک تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کو قریب لانے میں ایک اہم رول ادا کر چکے ہیں۔ ان کی داستان حیات "یادایام" کشمیر کی تحریک حریت کے تاریک گوشوں پر غاصی روشنی ڈالتی ہے۔

میاں امیرالدین اور بریگیڈیر حبیب الرحمان پاکستانی وفد کی طرف سے یہاں آگئے اور شیخ عبداللہ کے ساتھ بات چیت میں شامل ہو گئے۔

بات چیت کے نتائج سے جب دونوں طرف کے رہنما مطمئن ہو گئے تو پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کے معاہدے پر کارروائی شروع ہو گئی۔

پاکستان کی طرف سے مولوی نورالدین، چوہدری حمید اللہ، میاں امیرالدین اور بریگیڈیر حبیب الرحمن کی کوششوں سے ایک معاہدہ مکمل ہو گیا۔ معاہدہ کا یہ مسودہ لاہور سے سرینگر اور سرینگر سے لاہور جا کر ایک ہفتہ تک کانٹ چھانٹ ترمیم و تبدیلی کے مراحل سے گزر کر آخر کار دونوں فریق راضی ہو گئے۔

شیخ عبداللہ سے لاہور آنے کی تاریخ مانگی گئی۔ متفقہ طور پر یہ تاریخ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء مقرر ہوئی، لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کو ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دن کے ایک بجے پاکستان کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کے مسودہ پر دستخط کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں، پاکستانی ارکان میں اس مجلس میں شامل ہونے کے لیے قائداعظم کے ساتھ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور چوہدری محمد علی مقرر ہوئے۔ خان عبدالقیوم خاں کو استقبالیہ کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔



شیخ محمد عبداللہ — عبدالقیوم خاں

شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ یہاں سے مولوی نورالدین، چوہدری حمید اللہ خاں، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام احمد عشائی جا رہے تھے۔ (بخشی صاحب کی ڈائری کے مطابق مرزا محمد افضل بیگ بھی جا رہے تھے۔) پاکستان کے ساتھ معاہدہ الحاق کی

شرائط حسب ذیل تھیں۔

(۱) پاکستان اور ریاست جموں وکشمیر کے درمیان پہلے مرحلے پر دو سال کا معاہدہ ہوگا۔
(۲) ریاست داخلی طور پر اپنے معاملات میں آزاد ہوگی۔
(۳) شیخ محمد عبداللہ خود اپنی کابینہ بنائیں گے۔
(۴) ریاست میں کوئی غیر کشمیری زمین وغیرہ خریدنے کا مجاز نہیں ہوگا۔
(۵) دو سال کے عرصے میں اگر کشمیری پاکستان سے مطمئن ہوئے تو مکمل الحاق عمل میں آئے گا۔
(۶) اگر اس عرصے میں پاکستان نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تو ریاست کو پاکستان سے علیحدہ رہنے کا اختیار حاصل ہوگا۔"

اس معاہدے کو اگرچہ دونوں طرف خفیہ رکھا گیا تھا اور لاہور میں شیخ عبداللہ کی آمد کا بڑی بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا کہ کسی طرح معاہدہ کا راز لیک ہوگیا۔ اس کا الزام اگرچہ بخشی غلام پر لگا لیکن انہوں نے اپنی ڈائری میں اس کی تردید کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے یہ راز اصل میں پاکستان میں ہی لیک ہوگیا جہاں کی مسلم لیگ میں ایک خاص لابی کانگریس کے لیے مخبری کر رہی تھی۔

چنانچہ کانگریس کو جب اس خفیہ زیر تکمیل معاہدے کے بارے میں معلومات فراہم ہوگئیں تو ان کی پاؤں تلے زمین نکل گئی انہیں سخت صدمہ ہوا اور شیخ عبداللہ کی بے وفائی کا انہیں بہت دکھ ہوا۔ کیونکہ اس طرح اُن کے اب تک کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر گیا تھا۔ کانگریسی لیڈر آپس میں مشورہ کر کے اس معاہدے پر عمل درآمد روکنے کے لیے ضروری کاروائی کرنے لگے، کافی سوچ بچار کے بعد دیوان چمن لال کو سرینگر روانہ کیا گیا اور اُن کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ تک یہ بات پہنچا دی کہ . . . . .

"ہم نے سُنا ہے آپ پاکستان جا رہے ہیں جہاں آپ کو گرفتار کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمیں معتبر ذرائع سے اس کی اطلاع مل چکی ہے چونکہ اطلاع مصدقہ ہے اس لیے آپ کو خبردار کیا جا رہا ہے۔"

یہ سُن کر گویا شیخ صاحب کے اوپر آسمان ٹوٹ پڑا۔ انہیں زبردست دھچکا لگا۔ دیوان چمن لال کی بات کا اعتبار کر کے انہوں نے پاکستان نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پاکستانی لیڈروں کی

اس نیت اور اس حرکت سے شیخ صاحب کے دل میں محبت ایک دم نفرت میں بدل گئی۔

میاں امیر الدین نے اپنی کتاب "یاد ایام" میں معاہدہ کی عمل آوری میں رکاوٹ کی ذمہ داری پاکستانی لیڈروں پر عائد کی ہے۔ لیکن انہیں شاید معلوم نہ تھا کہ شیخ عبداللہ کو پاکستان جانے سے روکنے میں کانگریس نے کونسا رول ادا کیا۔ دیوان چمن لال شیخ عبداللہ کے خیالات اور نظریات بدلنے میں کامیاب ہوگئے تو دونوں بات چیت کرنے چشمہ شاہی گئے۔

ان دونوں کے پورے دن تک چشمہ شاہی کے گیسٹ ہاؤس میں رہنے کا چرچا ہوا تو مسلم لیگ نے شیخ عبداللہ پر کانگریس کے ساتھ ساز باز کا الزام لگایا۔

محمد دین تاثیر کی بیوی بلقیس تاثیر نے کشمیر کے ایک صحافی اور تاریخ نویس رشید تاثیر کو بتایا ہے۔ شیخ صاحب حسب وعدہ لاہور گئے تھے اور وہاں انہوں نے تین دنوں تک قیام کیا اور محمد علی جناح نے وہاں شیخ صاحب کو اس بات کا اشتعال دلایا کہ کشمیر ایک بلینک چک ہے جو میری جیب میں ہے یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ جیل سے رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ پاکستان گئے ہی نہیں۔ بقول بخشی غلام محمد جب بھارتی لیڈروں نے ان کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ پاکستان میں آپ کی گرفتاری کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو انہیں پاکستان کے نام سے نفرت ہوگئی وہاں اُن کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پاکستان کی نفرت دل میں جاگزیں کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ چنانچہ اپنی بیگم کے ہمراہ جب انہوں نے مہاراجہ بہادر سے ملاقات کی اور پھر حضوری باغ کے پبلک جلسے میں کانگریس کی حمایت کر کے مسلم لیگ پر تابڑ توڑ حملے کیے تو شیخ صاحب کی زبانی دوسری بولی سن کر وہ ششدر رہ گئے اور انہیں یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ شیخ محمد عبداللہ کانگریس کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دوسری اور کوئی کاروائی کرنی چاہیے، پاکستانی رہنما شیخ محمد عبداللہ کا انتظار کر رہے تھے کہ یہاں آکر معاہدہ پر دستخط کریں گے لیکن اپنی تقریروں میں انہوں نے مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف جو کچھ بھی کہا اس سے معاہدہ یک طرفہ طور پر منسوخ ہوگیا۔



اوپر :- مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔
نیچے :- شیخ محمد عبداللہ انہوں نے ریاست کو غلام بنا دیا۔

یہ مانا تم وفا پیشہ ہو تم ہو خلق کے پیکر
مگر ہیں کس لیے خنجر تمہاری آستینوں میں

مہاراجہ ہری سنگھ کی آزادی شیخ محمد عبداللہ کی غلامی

برصغیر تقسیم ہو کر ہندوستان اور پاکستان دو علیحدہ علیحدہ مملکت بن چکے تھے۔ جب شیخ عبداللہ معافی نامہ دے کر باہر آئے تو وہ اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر مستقبل کے بارے میں غور و خوض کرنے لگے۔ اسی دوران ٹھاکر پنجت چند نے شیخ صاحب کو مہاراجہ کے ساتھ گفت گو کرنے کا مشورہ دیا۔ شیخ صاحب نے یہ مشورہ قبول کر کے مہاراجہ بہادر سے ملنے کا وقت مانگا۔ جب اُنہیں وقت اور مقام کے بارے میں بتایا گیا تو شیخ صاحب دو دن تک خواجہ غلام احمد قمرہ کے ہاں قد آدم آئینے کے سامنے مہاراجہ کی خدمت میں کورنش بجالانے کی پریکٹس کرتے رہے خواجہ غلام محمد صادق نے انہیں بار بار آئینے کے سامنے سرخم کر کے تعظیم بجالانے کی ریہرسل کرتے دیکھا تو سخت بُرا منایا اور اُن سے شکایت کر بیٹھا۔

"یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں آپ کے مرتبے کے شایان شان ہرگز نہیں ہے"

بہر حال شیخ عبداللہ اپنی بیگم کے ہمراہ مہاراجہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنی طرف سے مہاراجہ کو پیلے رنگ کے مخمل میں لپٹا مجمہ (ایک بڑی تھالی) پیش کی اس میں قسم قسم کی مٹھائیاں، کئی قیمتی شال اخروٹ کی لکڑی اور پیپر ماشی کے چند بہترین نمونے بھی تھے۔ اس کے علاوہ کئی اشرفیاں بھی انہوں نے مہاراجہ کی نذر کر دیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے درمیان ملاقات دیر تک جاری رہی شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ کے اس خیال "کشمیر کو آزاد اور خود مختار رہنا چاہیئے" کے ساتھ

اختلاف کیا، انہوں نے اس موقع پر جبکہ شورش زوروں پر تھی کوئی فیصلہ لینے کو جلد بازی سے تعبیر کیا۔

شیخ صاحب نے مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے مسلم کانفرنس کے لیڈروں کی سخت نکتہ چینی کی جو مہاراجہ پر زور ڈال رہے تھے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا جائے کیونکہ کانگریسی لیڈروں نے اُن کے ذہن میں یہ بات بٹھادی تھی کہ پاکستان میں اُن گرفتاری کی تیاریاں ہورہی ہیں۔

مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو وزارت میں آنے کی آفر دہرائی تو انہوں نے اس مسئلہ کو فی الحال ملتوی رکھنے کو کہا کیونکہ ایک تو برصغیر میں ساری سیاسی صورت حال تبدیل ہوچکی تھی دوسرا مسلم کانفرنس نے ان کے خلاف الزامات کا ایک محاذ کھول دیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے درمیان یہ ملاقات جو ٹھاکر پنت چند اور ڈاکٹر چوپڑہ نے کرائی تھی۔ مہاراجہ کا خیال تھا شیخ صاحب مجھ پر مسلم اکثریت کے ناطے پاکستان کے ساتھ الحاق کرانے یا اس ریاست کو آزاد رکھنے پر زور دیں گے تو میں اسے قبول کرکے ایک طرح سے ان کے ساتھ دوستی کا آغاز کروں گا اور انہیں کیبنٹ میں شامل ہونے کے لیے راضی کرلوں گا۔ مگر یہاں اس کے برعکس ہوتے دیکھ کر مہاراجہ کو سخت حیرانی ہوئی، البتہ انہوں نے اس بارے میں اپنا فیصلہ محفوظ رکھا اور شیخ عبداللہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کرنے کی مہلت دیدی۔

اس ملاقات کے بارے میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنے اخبار "ہمدرد" میں ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا "کشمیر چھوڑ دو تحریک کا شاندار آغاز اور بدترین انجام چشم بینا کے لیے عبرتناک ہے"

"شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دے کر ملک کے اندر اور باہر ایک انقلاب بپا کردیا۔ انہوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کو کشمیر سے چلے جانے کو کہا۔ یہ تحریک کا ایک ایسا موڑ تھا جہاں پر شیخ عبداللہ ہر نگاہ کا تارا بن گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ غیر مسلموں نے اس نعرے پر ان کا ساتھ نہیں دیا مگر تحریک کا یہ نکتہ عروج تھا۔ کاش! شیخ عبداللہ "کشمیر چھوڑ دو تحریک میں، چونکہ وہ اس نعرے کی آڑ میں مہاراجہ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ نعرہ اسی چاہت کی نذر ہوگیا۔ سب سے

افسوس ناک پہلو اس کا یہ ہے کہ مہاراجہ اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتا ہے۔ اور ایسا اس ملک کے بارے میں ہم بھی چاہتے ہیں۔ مگر کشمیری عوام کا لیڈر جو اس نظریئے کی مخالفت کررہا ہے۔ ایسی بات ہے جس پر حیرت اور تعجب اس لیے نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی نیت ابتدا سے ہی صاف نہیں رہی"

بقول رام چندر کاک (رام چند کاک کی کتاب "فریڈم سٹرگل ان کشمیر" کا مسودہ جو اُن کی انگریز نژاد بیوی مارگریٹ کاک کے پاس ہے اور جسے چھاپنے کے لیے وہ لندن لے گئی ہے برسوں گزرنے کے باوجود یہ کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے) مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو آزاد اور خود مختار ڈکلیئر کرنے کی تیاری کررہا تھا۔ اور اس اسکیم پر انہوں نے مہرچند مہاجن کے ساتھ مجھے بھی لگایا تھا۔ ہندوستانی رہنما اس اسکیم کو رکوانے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور اس کے لیے یہ شیخ عبداللہ کو بطور حربہ استعمال میں لارہے تھے۔ چنانچہ رہنمایان کشمیر اور نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور اس اسکیم کو کسی بھی طرح پروان چڑھنے نہیں دیا۔ اس طرح انہوں نے ثابت کردیا انہیں صرف اپنے مفادات عزیز ہیں اور بس ——— اپنے مفادات کے حصول کے لیے اگر کشمیری قوم ہندوستان کی غلام بھی بن جاتی ہے تو ان کی بلا سے ——— عام لوگ سمجھ رہے تھے ان کا شیر کشمیر عوام کی آزادی کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں سے لڑ رہا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اُن کی غلامی کا سامان مہیا کررہا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کی غلامی سے نکال کر مہاراجہ جواہر لال نہرو کی غلامی میں رکھنے کی جدوجہد کررہا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور میں اس ملک کے مستقبل سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کرکے یہ جنگ و جدل اور دشمنی کی آماجگاہ نہ بنے مگر شیخ عبداللہ مستقبل سے لاپرواہ ہوکر صرف اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ کررہے تھے ان کے پیچھے لوگ تھے اور لوگوں کے بل بوتے پردہ تحریک پر حاوی رہے یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے تحریک حریت کے ساتھ جو کچھ کیا ایسا ایک بدترین دشمن بھی نہیں کرسکتا کشمیری عوام کے اعتماد کے ساتھ انہوں نے جو کھلواڑ کیا ایسی مثال کہیں ملنی مشکل ہے"

یاد رہے ۱۹۴۸ء میں شیخ محمد عبداللہ نے رام چند کاک کو مسلم لیگ اور پاکستان کا ساتھ دینے کے جرم میں گرفتار کروایا، انہیں گھاس کی رسی میں بندھوا کر سڑک سڑک گھمایا، نیشنل

کانفرنسیوں سے ان پر تھوکوایا گیا انہیں ذلیل و رسوا کر کے اُن پر مقدمہ چلایا اور انہیں دو سال کی سزا دلائی گئی۔

رام چند کاک کی گرفتاری پر ایک دانشور نے کیا خوب کہا۔

"ایک مسلمان لیڈر نے ایک ہندو حاکم کو مسلمانوں کا ساتھ دینے پر سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ (KASHMIR PAPERS P.56)

رام چند کاک پہلا کشمیری تھا جو ڈوگرہ راج میں وزیر اعظم کے عہدے پر تعینات ہوا۔ انہوں نے انسپکٹر جنرل کسٹم سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا، ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو رام چند کاک چیف سیکرٹری بن گئے۔ اس موقع پر نیشنل کانفرنس نے بحیثیت جماعت ان کے تقرر پر خیر مقدم کیا اور انہیں مبارک باد دی، چیف سیکرٹری سے انہیں ترقی دے کر وزیر بے قلمدان بنایا گیا۔ کشمیر اور کشمیریوں کے بارے میں اُن کے پاس مستقبل کا ایک شاندار نقشہ تھا۔ جو کشمیر اور کشمیریوں کے ہر دل عزیز رہنما نے مٹا کر ہی دم لیا۔



مسٹر رام چند کاک

مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنی تقریروں میں جہاں کانگریس کی بے حد تعریفیں کیں وہاں مسلم لیگ کی زبردست نکتہ چینی کی گئی اپنی ایک تقریر میں انہوں نے فرمایا۔

"میری غیر حاضری میں برصغیر تقسیم ہو گیا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ اگرچہ پہلے یہ ایک خواب دکھائی دیتا تھا لیکن یہ خواب آج ہمارے سامنے تعبیر کے روپ میں ہے۔ انگریزوں نے برصغیر کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے کہ مسلم ریاستیں

پاکستان میں شامل کرنے کی گنجائش رکھی ہے، اگرچہ حیدر آباد، جوناگڑھ اور کشمیر کو اپنا فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہے لیکن ہمیں جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اس پر کافی سوچ بچار کرنا پڑے گا۔ پاکستان ابھی تو نوزائد ہے اور اس کے پاس ایسے وسائل نہیں جہاں ہم پنپ سکیں، نظریاتی طور پر ہمیں مسلم لیگ کے ساتھ کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔ مسلم لیگ کے نظریئے کے ساتھ ہمارا نظریہ میل نہیں کھاتا، کانگریس نے ہماری تحریک میں کافی مدد کی ہے ہماری امیدیں کانگریس کے ساتھ وابستہ ہیں میں مہاراجہ بہادر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کریں۔ (یعنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان نہ کریں۔)

شیخ عبداللہ کی تقریر کا لب و لہجہ دیکھ کر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس، کشمیر سوشلسٹ پارٹی اور جموں و کشمیر کسان مزدور کانفرنس نے سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے مہاراجہ سے مانگ کی کہ اگر انہیں عوامی رجحانات کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے تو وہ بالغ رائے دہندگی کے اصول کی بنیاد پر کشمیر میں ریفرینڈم کرائے۔ ان تینوں پارٹیوں کے سربراہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ سے مخاطب ہو کر اس قسم کے بیانات محض غلط فہمی کی بنیاد پر دیئے، کیونکہ یہ پارٹیاں سمجھ رہی تھیں شیخ عبداللہ کی زبان سے شاید یہ سب کچھ مہاراجہ ہری سنگھ بول رہے ہیں کیونکہ مہاراجہ بہادر سے حالیہ ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ کا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔

شیخ عبداللہ جہاں کھلے بندوں کانگریس کی حمایت کر رہے تھے وہاں مسلم لیگ کو خوب آڑے ہاتھوں لے رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی حمایت میں جلسے جلوس نکال رہے تھے۔ مسلم کانفرنس پاکستان کے حق میں مظاہرے کر رہے تھے۔ اس شور و شر سے حکومت عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی مہاراجہ نے وزیر اعظم کے ذریعے، مسلم کانفرنس، کشمیر سوشلسٹ پارٹی اور جموں و کشمیر کسان مزدور کانفرنس کے ایک ایک نمائندے کو دفتر پر بلوا کر انہیں مہاراجہ بہادر کے خیالات سے آگاہ کرایا اور ان تک یہ بات پہنچا دی کہ مہاراجہ بہادر کے ساتھ ملاقات کے دوران خود شیخ صاحب نے پاکستان کے ساتھ الحاق نہ کرنے اور خود مختاری کے خیال کو ملتوی رکھنے کا مشورہ دیا حالانکہ مشورہ مہاراجہ بہادر نے ابھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمیں ہدایت دی ہے کہ جوں اور توں معاہدہ

کے تحت فی الحال ڈاک ڈتار اور مواصلات کے محکمے پاکستان کی تحویل میں دیے جائیں۔ جس پر عمل کیا گیا ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ جو اس وقت تک براہ راست وائسرائے ہند کی نگرانی میں تھے حکومت پاکستان و ہندوستان کے سربراہوں کو اپنی حکومت کے اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ ریاست جموں وکشمیر کی حکومت ان تمام مسلوں پر دو ممالک کی حکومتوں سے اسٹینڈ اسٹیل یعنی جوں کا توں معاملہ کرنا چاہتی ہے۔ جن پر ہندوستان سے جانے والی انگریز حکومت سے معاہدہ ہے۔

ڈوگرہ حکومت نے موجودہ حالات کو برقرار رکھنے اور نئے معاہدوں کے وجود میں آنے تک موجودہ انتظامات برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سلسلے میں جموں وکشمیر کے وزیر اعظم کی طرف سے پاکستان کو ایک برقیہ کے ذریعے مطلع کیا۔

"ریاست جموں وکشمیر، حکومت پاکستان کے ساتھ ان سبھی امورات کے بارے میں جوں کا توں معاہدے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت ریاست اور برطانوی ہند کے درمیان نافذ العمل ہیں۔ ہماری تجویز ہے کہ نئے معاہدوں کی تشکیل اور تفصیلات کے طے ہونے تک موجودہ معاہدات برقرار رکھے جائیں گے۔"

پاکستان نے ۱۵ اگست کو وزیر اعظم جموں وکشمیر کو اپنے جوابی تار کے ذریعے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور تفصیلات طے ہونے اور نئے معاہدے تشکیل پانے تک موجود انتظامات کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت جموں وکشمیر کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کرنے کی رضامندی دے دی۔

پاکستان نے ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو اس معاہدے پر دستخط کر دیئے لیکن بھارت نے اس معاہدہ کو نامنظور کر دیا تھا کیوں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

شیخ عبداللہ کی مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف مہم چلانے پر مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر چوہدری حمید اللہ خاں نے شیخ عبداللہ پر الزام لگایا کہ

"..... شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کی تحریک کو کانگریس کے ہاتھوں تین لاکھ

روپے میں بیچ دیا ہے۔ کانگریس نے یہ تین لاکھ روپے دینے کا انہیں وعدہ کیا ہے لیکن میں شیخ صاحب کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ اس جھانسے میں نہ آئے کیونکہ کانگریس نے ایسا ہی وعدہ خان غفار خان کے ساتھ بھی کیا تھا جس طرح افغانوں کے پاکستان میں جانے کے بعد غفار خاں کو کچھ نہیں ملا اسی طرح ان کو بھی نہیں ملے گا ایک وقت آئے گا جب انہیں اس سودے بازی کا افسوس ہوگا۔ میرا ان سے یہی مشورہ ہے وہ اس حرکت سے باز آئیں۔"

اس موقع پر عبدالسلام دلال اور عبدالغنی رینٹھو نے شیخ عبداللہ پر تحریک کے ساتھ غداری کرنے کا الزام لگایا۔ اجلاس کے فوراً بعد چوہدری حمید اللہ خاں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک چٹھی لکھ کر بھیجدی جس میں ان سے کشمیر کی خود مختاری کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ خود مختاری کے اعلان کے ساتھ ان سے قانون ساز ادارہ بنانے کی بھی تاکید کی گئی۔

شیخ عبداللہ کی کانگریس نوازی کے چرچے ہونے لگے تو مسلم کانفرنس کے بعض عہدیداروں نے فیصلہ کر لیا کہ شیخ عبداللہ سے ذاتی طور پر مل کر انہیں اس حرکت سے باز رکھا جائے چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی میں کرنل عدالت خان، مولوی عبدالرحیم ظلی، نورالدین، نور محمد، محمد مقبول حکاک، شیخ عبدالصمد، مفتی جلال الدین، پیر سیف الدین گیلانی، نصراللہ خاں، غلام حسن انقلابی، شیخ غلام محمد زندہ دل، غلام محمد زرگر، مقبول شاہ، سیف الدین، غلام رسول ریشی، حکیم قاسم علی، غلام حسن مخدومی، علی محمد ساقی، احمد علی خطائی، حکیم غلام قادر اور دوسرے شامل تھے۔

میٹنگ میں شامل افراد کے لیے وازہ وان کا انتظام غلام محمد جکن نے کیا۔ میٹنگ کے لیے خفیہ طور پر گاڑہ باغ پورہ میں علی محمد بٹ کا مکان منتخب کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ اگرچہ یہاں اکیلے آنے کو کہا گیا تھا لیکن وہ اپنے ساتھ بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق اور غلام قادر گاندربلی کے ہمراہ آگئے۔ رات بھر بحث و مباحثہ کے بعد شیخ صاحب پاکستان کے ساتھ الحاق پر راضی نہیں ہوئے انہوں نے یہیں پر انکشاف کیا کہ میں اب تحریک سے دستبردار ہو کر مہاراجہ کی وزارت میں رام لال بترہ کی جگہ نئی وزیر اعظم کا عہدہ قبول کروں گا اور ساری فوج کو مہاراجہ بہادر کی تحویل میں

رکھنے کا فیصلہ قبول کروں گا۔

بقول خواجہ غلام محمد صادق جس کی تصدیق غلام محمد چکن کر چکے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ کے ساتھ وزارت میں شامل ہونے کی ایک مدت کی رازداری طشت ازبام کر دی اور مہاراجہ کے ساتھ وزارت سازی میں فوج کو اُن کی ہی تحویل میں رکھنے کا تنازعہ یہ کہہ کر حل کر دیا کہ اسے مہاراجہ بہادر کی تحویل میں رکھنے کا فیصلہ قبول کروں گا۔

شیخ صاحب کی زبانی مہاراجہ کا ڈپٹی وزیر اعظم بننے اور تحریک سے دستبردار ہونے کی خبر سن کر سب لوگ ہکا بکا رہ گئے البتہ خواجہ غلام محمد صادق نے یکایک ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"شیخ صاحب ——— ! کیا یہ سب کچھ اسی اقتدار کے لیے ہو رہا تھا کیا اس تحریک کا مدعا و مقصد بس یہی ایک اقتدار تھا۔"

شیخ عبداللہ کی زبانی اس قسم کا انکشاف ہونے کے بعد اس پر کئی دنوں تک تبصرے ہوئے بعض مبصرین کا کہنا تھا اگر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قبائلی وارد کشمیر ہونے کی وجہ سے مہاراجہ کو یہاں سے بھاگنا نہ پڑتا تو اقتدار کا اتاؤلا شیخ محمد عبداللہ پنڈت نہرو کے ساتھ کیا گیا عہد و پیمان کیسے پورا کرتے جبکہ مہاراجہ کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو" کا سپہ سالار ڈپٹی وزیر اعظم بننے کی تیاری کر رہا تھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ ساری دنیا سمجھ رہی تھی۔ شیخ عبداللہ شخصی حکومت کے ساتھ لڑ کر ریاست کو آزادی دلانے کی جدوجہد میں برسرپیکار ہیں۔ لیکن خود شیخ صاحب قوم کو آزادی دلانے کے بجائے خود کو اقتدار دلانے کے لیے مہاراجہ بہادر کے ساتھ سودا طے کر رہے تھے۔

اس طرح شیخ عبداللہ کانگریس کو بھی دھوکہ دے رہا تھا جس کا وہ لارڈ مونٹ بیٹن کو گواہ بنا کر بھارت کے ساتھ الحاق پر کاربند تھا۔

لارڈ مونٹ بیٹن نہ صرف اس راز سے واقف تھا بلکہ وہ اس سازش میں برابر کا شریک بھی تھا۔

برصغیر کی تقسیم سے متعلق دستاویز یعنی "انتقال اقتدار" کی بارہویں جلد میں درج ہے۔

"مہاراجہ ہری سنگھ پنڈت نہرو سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس نفرت کی پاداش میں مہاراجہ بھارت کے بجائے ریاست کا الحاق پاکستان سے

کرنا چاہتے تھے ....."

لارڈ مونٹ بیٹن نے یکم اگست ۱۹۴۷ء کی اپنی رپورٹ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ الحاق کے بارے میں صرف پاکستان کے حق میں تھے نہیں تو وہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتے تھے۔ سردار پٹیل، مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو نے ایک سازش تیار کی تاکہ مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق کرنے سے باز رکھا جائے اسی سازش کے نتیجے میں یکم اگست کو مہاتما گاندھی کشمیر روانہ کیے گئے۔ مہاتما گاندھی کو کشمیر روانہ کرنے میں مہاراجہ ہری سنگھ کو منانے میں میر بھی ہاتھ تھا

کانگریسی لیڈروں کے دباؤ، خوشامد، چاپلوسی اور دوسرے تمام حربوں کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ ہندوستان کے ساتھ ریاست کا الحاق کرنے کے لیے راضی نہیں ہو سکے تو انہوں نے اپنے ڈپٹی وزیر اعظم رام لال بترہ کو لاہور اور دہلی روانہ کیا تاکہ ہندوستان پاکستان کے حکمران ریاست کو آزاد ڈکلیئر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

لاہور اور دہلی کے اپنے مشن کے بارے میں رام لال بترہ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء پریس کانفرنس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ہم ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ باوجود لگاتار دباؤ کے ہمارا ارادہ نہ تو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے اور نہ پاکستان کے ساتھ، مہاراجہ ہری سنگھ اور اُن کی کابینہ نے فیصلہ لیا ہے ہم اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھیں۔ جموں و کشمیر مشرق کا سویزرلینڈ بنایا جائے گا جو بالکل ناطرفدار ملک ہے چونکہ کشمیر کی آمدنی کا ذریعہ سیاحت پر منحصر ہے اس لیے ہمارا خیال ہے جس ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ہوں وہاں سیاح نہیں آ سکتے۔ ہمارے ملک کی سرحدیں چھ ممالک سے ملتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے ساتھ رہنا ہے کوئی ہمارے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرے اور جب تک پنجاب میں امن قائم نہ ہو جائے تب تک اس مسئلہ کا تصفیہ نہ کیا جائے۔"

لال بترہ ڈپٹی وزیر اعظم کے اس پریس بیان نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کے چھکے میں ڈال دیا۔ پاکستانی حکمرانوں نے مہاراجہ کے اس نظریئے کی مخالفت کی، کانگریسی لیڈروں کی تو اس بیان سے نیند حرام ہو گئی۔ انہیں مہاراجہ ہری سنگھ کی

اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور وہ فوری طور پر اس کا تدارک کرنے کی حکمت عملی کرنے لگے۔
کافی غور و خوض کے بعد کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس میں ریاست کو بزور طاقت حاصل کرنے اور مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

اس بات کی تصدیق پریم ناتھ بزاز کے اس انٹرویو سے ملتی ہے جو انہوں نے ایڈیٹر "سرینگر ٹائمز"، صوفی غلام محمد کو دیا جو ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء کے اخبار میں موجود ہے۔


پریم ناتھ بزاز

"پاکستان نے کشمیر پر قبائلی حملہ اس لیے کرایا کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا ہندوستان کشمیر پر قبضہ کرنے والا ہے۔ پاکستان نے بہ حالت مجبوری اپنے قبائلی کشمیر میں داخل کرائے ——— ۱۹۴۷ء سے اب تک بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اگر قبائلی کشمیر پر حملہ نہ کرتے تو ہندوستان کوئی مداخلت نہیں کرتا جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔"

اس انٹرویو کے منظر عام پر آنے کے بعد جب میں آن سے ذاتی طور پر ملا تو انہوں نے یہ بتانے میں کوئی تامل نہیں کیا کہ ——— "قبائلی حملہ سے قبل میں پورے ۱۴ دنوں تک دہلی میں مقیم تھا۔ پنڈت نہرو کے ہاں میرا آنا جانا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو مجھے اپنے گھر کا ایک فرد مانتے تھے۔ قبائلی حملے سے قبل کشمیر پر بھارت کی طرف سے حملے کی تیاری میں نے خود دیکھی، مہاراجہ ہری سنگھ کو پکڑ کر دہلی لانے کا بھی پروگرام بن رہا تھا۔ قبائلیوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی اچانک بھارتیوں کا پروگرام بدل گیا۔ اب انہوں نے کشمیر کو بزور طاقت ہڑپنے کے بجائے مہاراجہ کو خوفزدہ کر کے وہاں سے بھگانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ شیخ عبداللہ کو سامنے لایا جا سکے ———"

صاف ظاہر ہے مہاراجہ ریاست کی آزادی چاہتا تھا جبکہ شیخ عبداللہ اس ریاست کی غلامی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اعتراف کر لیا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتا تھا وہ دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتا تھا اس فیصلے کے اعلان میں وہ محض اس لیے پس و پیش کر رہا تھا کہ کہیں اس فیصلے کی آڑ میں کوئی ملک اس پر حملہ نہ کر دے وہ آزادی اور خود مختاری کے اعلان سے قبل اپنے ملک کے تحفظ کی گارنٹی چاہتا تھا۔ جبکہ ہندوستان اور پاکستان اس کو نگلنا چاہتا تھا۔ مہاراجہ کا خیال تھا ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات میں کشمیر کی ترقی مضمر ہے۔ خود میری بھی یہی چاہت تھی کہ یہ ملک آزاد اور خود مختار بن کر ایک مثالی ملک بن جائے مگر قبائلیوں کی آمد کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چندر کاک کا خواب چکنا چور کر دیا۔



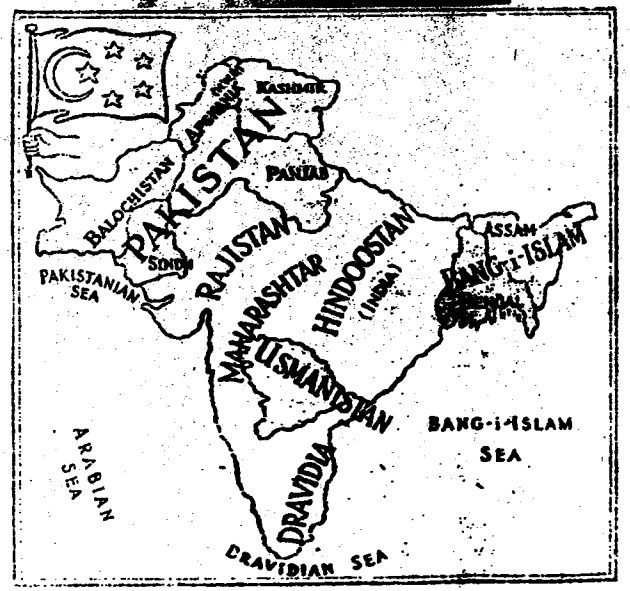
بانیٔ پاکستان سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ کی مشترکہ کابینہ ۱۹۴۶ء خان لیاقت علی خان اور پنڈت جواہر لال نہرو فرسٹ



India's Last Viceroy and Vicereine

Lord and Lady Mountbatten arrived in Delhi on March 22, 1947 to preside over the coming Independence of India. After long and difficult negotiations with Mahatma Gandhi





چوہدری رحمت علی اور اُن کے تصورِ کا پاکستان

اور بجھ جائیں گی شمعیں جو ہوا تیز چلی
لا کے رکھ دو سرِ محفل کوئی خورشید اب کے

برصغیر کی تقسیم، پاکستان کا وجود اور مسئلہ کشمیر کا جنم

برصغیر کو تقسیم کر کے آزادی دلانے اور ہندو مسلم کی اکثریت والی ریاستوں اور صوبوں کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کے لیے وائسرائے ہند جنرل ویول جب طرفداری سے کام لینے لگے تو قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی طرفداری پر سخت اعتراض کیا اور دو ٹوک الفاظ میں سرکار انگلشیہ سے کہہ دیا اس طرح تقسیم ملک کی کاروائی میں ہم ساتھ نہیں دے سکیں گے۔

سرکار انگلشیہ نے اس موقع پر تنازعہ مختصر کرنے کے لیے وائسرائے لارڈ ویول کی واپسی کے آرڈر جاری کیے اور اُن کی جگہ برطانیہ کے بحری بیڑے کے کمانڈر انچیف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا اور اُسے ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ تقسیم سے متعلق بات چیت کے مشن پر روانہ کیا۔

مارچ ۱۹۴۷ء کے اختتام اور اپریل کے شروع میں وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے نئے عہدے کا چارج سنبھالا اور وہ برصغیر کی تقسیم کے کام میں جُٹ گیا۔

برصغیر کی تقسیم کیونکر ناگزیر بن گئی اُن حالات کو جاننے کے لیے جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ماضی کے ورق پلٹنے شروع کیے تو انہیں یہ جاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ محمد علی جناح کو کانگریس نے ۱۹۳۷ء میں بدظن کیا۔

کانگریس پارٹی نے ان صوبوں میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا تعاون لینے سے انکار کیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔

"مڈنائٹ فرینڈم" کے مصنفین لیری کولنس اور دامنک لیپیر نے اس بارے میں لکھا ہے۔

"جناح خود پسند اور خود دار تھے۔ کانگریس کا یہ قدم انہیں ایک ذاتی سانحہ جیسا معلوم ہوا۔ انہیں اسی دن سے ہمیشہ کے لیے یقین ہو گیا کہ کانگریس کی قیادت میں ہندوستان میں اُن کے اور اُن کی مسلم لیگ کے ساتھ کبھی انصاف نہیں ہو سکے گا۔

ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرنے کے بجائے جناح ایک ایسے سانچے میں ڈھل گئے کہ اُن کی ضد نے پاکستان بنوا کر ہی دم لیا۔"

حالانکہ یہ مسٹر جناح ہی تھے جنہوں نے ۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی کی پاکستان کی تجویز ایک ناممکن خواب کہہ کر رد کیا تھا۔

پاکستان کے قیام کا تصور تحریری صورت میں پہلی بار پیش کرنے والا ایک طالب علم چوہدری رحمت علی ہی تھا۔

۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو لندن گول میز کانفرنس کے موقعہ پر چوہدری رحمت علی نے کانفرنس کے ہندو مسلم مندوبین اور پارلیمنٹ کے انگریز ممبران میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا جو فل اسکیپ ٹائپ کے ساڑھے چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا عنوان انہوں نے NOW OR NEVER (ابھی ورنہ کبھی نہیں) رکھا تھا۔

اس میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔

"ہندوستان کے شمال مغربی مسلم اکثریتی پانچ صوبوں میں پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ، اور بلوچستان پر مشتمل ایک آزاد خود مختار مملکت (پاکستان) قائم کی جائے۔"

اس کانفرنس میں محمد علی جناح، سر ظفر اللہ خاں اور علامہ اقبال بھی موجود تھے۔

اس کے بعد یکم اگست ۱۹۳۲ء کو لندن کے ممبر اور جوائنٹ پارلیمنٹری سلکٹ کمیٹی نے چوہدری رحمت علی کے مطالبہ پاکستان کے بارے میں مسلم وفد کے ارکان جن میں عبداللہ یوسف علی سر محمد یعقوب، ایچ۔ ایس۔ سہروردی، ڈاکٹر خلیفہ، شجاع الدین، حاجی رشید الدین اور سر ظفر اللہ بھی موجود تھے، مشورہ کیا۔ انہوں نے متفقہ طور نظریہ پاکستان مسترد کیا۔ اور اسے ناقابل عمل منصوبہ قرار دیا۔

ایک ناقابل عمل منصوبہ عمل میں کیوں آ گیا؟ اس کے لیے انگریزوں نے کانگریس

کے بعض لیڈروں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں مسلم لیگ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کی رو سے کل ہند مسلم لیگ کے صدر کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ اگر ایسا کوئی راستہ جو اُن کی دانست میں ضروری ہو اس خیال کے پیش نظر اختیار کریں کہ کوئی ایسی موزوں متبادل صورت نکالی جائے جس کے ذریعے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔

صدر مسلم لیگ نے مجلس عاملہ کی رضامندی اور ایما پر مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ ان حضرات کی پیش کردہ مختلف اسکیموں کا جائزہ لیا جا سکے جو ہندوستان اور دیگر ممالک کی دستوری نشوونما سے بخوبی آگاہ ہیں۔

صدر:۔ محمد علی جناح۔ کنوینر:۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں

ممبران:۔ سر سکندر حیات خاں، نواب محمد اسماعیل خان، سید عبدالعزیز، سر عبداللہ ہارون خواجہ ناظم الدین، عبدالمتین چوہدری اور سردار اورنگ زیب خان۔

اس تشکیل شدہ کمیٹی نے اسلامی وطن قائم کرنے کے لیے ان علاقوں کو چن لیا۔

اوّل:۔ شمالی مغربی علاقہ جس میں سندھ، بلوچستان، پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، بہاولپور، خیرپور شامل تھے۔

دوئم:۔ شمالی مشرقی علاقہ جس میں بنگال اور آسام کے مسلم اکثریت کے علاقے شامل تھے۔

سوئم:۔ دہلی، لکھنؤ، یو۔ پی، اور بہار کے مسلم علاقوں کو شامل کیا جانا پیش نظر رکھا گیا۔

چہارم:۔ دکن کا علاقہ جس میں حیدر آباد دکن مدراس تک یا بیجاپور کے راستے مغربی ساحل تک کا علاقہ پاکستان مانا جاتا اور باقی سب ہندوؤں کا علاقہ مانا جاتا۔

لیکن اول الذکر کو ہی ترجیح دی گئی۔

اس طرح تقسیم ہند جب ناگزیر بن گیا تو کانگریس اور مسلم لیگ کے دعوے اور جوابی دعوے سن کر لارڈ مونٹ بیٹن تقسیم کی لکیر کھینچنے لگے۔

قبل اس کے کہ ایک لکیر کھینچ کر دو مملکتوں کو الگ الگ کر دیا جاتا پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک ایسی حکمت عملی اپنائی جس کے کارن لارڈ مونٹ بیٹن نہ صرف پنڈت نہرو کے دوست بن گئے بلکہ نہرو کی مرضی کے مطابق تقسیم کی لکیر کھینچ دی گئی۔

پنڈت نہرو نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کے باوجود لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان میں آزادی کے بعد بھی رہنے اور بھارت و پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل جیسا بڑا عہدہ انہیں آفر کرنے میں پیش کر کے زیر بار احسان کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ ابھی جیل میں نظر بند تھے کہ برصغیر کی تقسیم پر عملی جامہ پہنایا جانے لگا لارڈ مونٹ بیٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے ساتھ بات چیت کر کے دونوں طرف کے لیڈروں کو ایک سمجھوتہ پر آمادہ کیا جس کی بنیاد پر برطانوی حکومت نے برصغیر کو آزادی دینے کا ایک مسودہ قانون پاس کر دیا۔ جسے انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ کا نام دیا گیا اس مسودہ قانون کی رو سے ہندوستان کو تقسیم کر کے بعض شرائط کے تحت مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل اس کے انتہائی مغرب اور انتہائی مشرق کے علاقوں کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) صوبہ پنجاب جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت ہے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اس صوبے کی ہندو اکثریت کے ضلعے ہندوستان میں رہیں صوبوں کی تقسیم کا معاملہ ایک بااختیار ٹریبونل کے سپرد کیا جائے۔

۲۔ شمال مغرب سرحدی صوبے میں اس بات پر ریفرنڈم کروایا جائے کہ کیا اس صوبے کے لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں (ریفرنڈم میں پٹھانوں نے خان عبدالغفار خاں کی مرضی کے خلاف پاکستان کے حق میں فیصلہ دیدیا)

(۳) صوبہ بنگال کو بھی مسلم اکثریت کے علاقوں کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۴) برصغیر میں جو ریاستیں تھیں اُن کے مستقبل کا فیصلہ ریاستوں کے حکمران کرنے کے مجاز قرار دیئے گئے البتہ انہیں اپنی اپنی ریاست کی رعایا کی خواہشات اور جغرافیائی اور دوسرے حالات مدنظر رکھنے کو کہا گیا۔

(۵) مسلم اکثریت کی ریاستیں حیدرآباد، جوناگڑھ اور کشمیر کو ریفرنڈم کے تابع رکھ دیا گیا۔ صوبوں کی تقسیم کے لیے یہ اصول طے پایا کہ جس ضلعے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ پاکستان کو دیئے جائیں گے اور جس ضلعے میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوگی وہ ہندوستان میں شامل رہیں گے۔ (چنانچہ "ریڈ کلف کمیشن" نے جسے

پنجاب کی تقسیم کا کام سونپا گیا۔ ضلع گرداسپور کے سوا سارے پنجاب کی تقسیم اسی اصول کے تحت عمل میں لائی گئی۔ لیکن ضلع گرداسپور جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت تھی کو تحصیلوں کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا۔ اس طرح وہ تحصیل پٹھان کوٹ بھی شامل تھا اس کو ہندوستان میں رکھنے کی گنجائش پیدا کی گئی۔ اگر طے شدہ اصول کے تحت گرداسپور کا ضلع پاکستان کو دیا جاتا تو ریاست جموں وکشمیر اور ہندوستان کے درمیان سرحدی رشتہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا گرداسپور کو اصولوں کے بجائے ضرورتوں کے مطابق تقسیم کیا گیا۔

محمد علی جناح نے اس فیصلے کو منظور کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری۔ جناح صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی چند وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ وہ اس موقع پر تقسیم میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وائسرائے جنرل ویول کے ساتھ اختلافات کر کے ان کی شکایت پر انہیں واپس انگلستان بھیجدیا گیا تھا۔ اب وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کر کے سرکار انگلشیہ کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت لارڈ مونٹ بیٹن لاہور ہندوستان کو دینا چاہتے تھے اس صورت میں اگر محمد علی جناح گرداسپور کی تقسیم اصولوں پر کرانے پر بضد ہوتے تو وائسرائے ترپ کا پتہ استعمال کر کے لاہور کا مسئلہ کھڑا کر دیتے۔

گرداسپور کے بارے میں اصولوں کی بات چھوڑ کر ہی لاہور پاکستان کو تفویض کیا گیا۔

تیسری اور اہم وجہ یہ تھی کہ قائداعظم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ نے الحاق کے بارے میں بہت پہلے ایک عہد و پیماں کیا ہے اور اس عہد و پیماں کو مدنظر رکھ کر ہی وائسرائے گرداسپور کی تقسیم کے بارے میں کشمیر کے راستے کا پورا پورا خیال رکھے ہوئے ہیں۔ جناح صاحب اس خوش فہمی میں تھے کہ مسلم اکثریت کے ناطے کشمیر کے پاکستان کے ساتھ شامل ہونے میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں لہٰذا گرداسپور کی پوزیشن پر نہ انہوں نے دھیان دیا اور نہ اُسے زیادہ اہمیت دی۔

ہاں! جب اصولوں کو چھوڑ کر ضرورت کے مطابق گرداسپور کی تقسیم ایک گہری سازش

ثابت ہوئی تب جناح صاحب کو اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کے بارے میں ایک بیان میں فرمایا۔

"کشمیر کا مسئلہ ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے لیکن اس حقیقت کو کوئی انصاف پسند قوم اور ملک نظر انداز نہیں کر سکتا کہ کشمیر تمدنی، ثقافتی، مذہبی، جغرافیائی معاشرتی اور سیاسی طور پر پاکستان کا ایک حصّہ ہے۔ جب بھی اور جس نقطۂ نظر سے بھی نقشہ پر نظر ڈالی جائے گی یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی کہ کشمیر سیاسی اور دفاعی حیثیت سے پاکستان کی شہہ رگ ہے۔ کوئی ملک اور قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہہ رگ دشمن کی تلوار کے نیچے دے دے۔ کشمیر پاکستان کا حصّہ ہے ایک ایسا حصّہ جسے پاکستان سے الگ نہیں کیا جا سکتا، مجھے یہ کہنے میں قطعاً ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ گرداسپور کے ایک ایسے حصّے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا محض اس لیے ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے، پاکستان نے ریڈ کلف ایوارڈ کو دیانتداری سے تسلیم کیا تھا لیکن ہندوستان کی نیت میں فتور تھا اس فتور کا مظہر کشمیر کا جھگڑا ہے۔"

کہا جاتا ہے ریڈ کلف ایوارڈ میں گرداس پور کو بھارت میں شامل کرنے میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر نواب افتخار حسین ممدوٹ کا ہاتھ رہا ہے۔ سید نور احمد نے اپنی کتاب "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" میں ان پر الزام لگایا ہے کہ یہ سب کچھ نواب ممدوٹ کے ایما پر کیا گیا جو تحصیل دار تقسیم کی صورت میں اپنی ریاست "ممدوٹ" جو تحصیل فیروز پور میں واقع تھی، محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ تحصیلوار تقسیم ہونے کی صورت میں تحصیل فیروز پور مسلم اکثریت کی حامل ہونے کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہو سکتی تھی۔ محض ذاتی مفاد کی خاطر تحصیل پٹھانکوٹ جیسی اہم تحصیل بھارت کے حوالہ کر دی گئی۔

ممکن ہے اس الزام میں کچھ وزن ہو لیکن تقسیم کی ساری کاروائی محض اس غدر پر ہرگز منحصر نہیں کیونکہ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے لاہور کے بارے میں محمد علی جناح کو اس طرح الجھا کر رکھ دیا کہ وہ گرداسپور کی اہمیت بھول گئے۔ اگر گرداسپور

تقسیم کے بارے میں لارڈ مونٹ بیٹن کی سازش کا انہیں ذرہ بھر بھی شک ہوتا تو نواب ممدوٹ کو وہ ہرگز خاطر میں نہیں لاتے۔

وائسرائے نے لاہور کا بکرا اپنے پاس رکھ کر جناح صاحب سے گرداسپور کا پتا پھینکنے کے لیے مجبور کیا۔ اس طرح مسئلہ کشمیر کا جنم ہوا۔ جو ہنوز اقوام متحدہ میں لٹکا ہوا ہے اور دو ممالک ہندوستان اور پاکستان "مسئلہ کشمیر" کی وجہ سے پچھلے چالیس برسوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔



برصغیر کی تقسیم کے بارے میں گول میز کانفرنس۔
عبدالرب نشتر، لیاقت علی خاں، محمد علی جناح، لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔
جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، سردار بلدیو سنگھ اور دوسرے۔





اوپر:۔ لارڈ مونٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن، مہاتما گاندھی کو ہندوستان کی تقسیم کے لیے منا رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی ملک کی تقسیم پر ناراض نظر آرہے ہیں۔
نیچے:۔ محمد علی جناح پاکستان کو قبول کر کے انگریزوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔



اوپر:۔ لارڈ مونٹ بیٹن دہلی میں عوامی اجتماع کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر رہے ہیں۔

نیچے:۔ لارڈ مونٹ بیٹن اپنی بیوی کے ہمراہ کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل کے عہدہ کا حلف دلانے جا رہے ہیں۔

کیا خبر تھی شاخ سے پتہ اُڑا لے جائے گا
جسم کے صندل سے وہ خوشبو چرا لے جائے گا

وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن کی سازش

سرکار انگلشیہ کی طرف سے جب لارڈ ویول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان تشریف لائے تو پنڈت نہرو نے انہیں ایسا اپنایا کہ لارڈ مونٹ بیٹن پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنا دوست کہنے کے لیے مجبور ہو گئے لارڈ مونٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پنڈت نہرو نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کی دوستی اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کی پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ قریبی تعلقات تقسیم ملک میں بہت کام آئے۔ ملک کی تقسیم کی جب بات چیت ہو رہی تھی اور مہاتما گاندھی تقسیم کی سخت مخالفت کر رہے تھے تو لارڈ مونٹ بیٹن نے جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل سے کہدیا۔



لارڈ مونٹ بیٹن

"جناح کو رخصت کرنے (یعنی اپنا الگ حصہ دینے) کے بعد ہندو اکثریت کے علاقوں میں مضبوط مرکزی حکومت قائم ہو سکے گی اگر مرکز مضبوط نہ ہو تو جس اشتراکی نظام کو نہرو ہندوستان میں قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟"

نہرو اور پٹیل کا ہمنوا بننے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو کانگریس ہائی کمانڈ میں جگہ پانے میں کیا دقت ہو سکتی تھی۔

پٹیل کی یہ دلیل تھی کہ "جناح کو پاکستان دیدو، فرق کیا پڑے گا۔ پانچ سات سال سے زیادہ پاکستان چلنے والا نہیں۔ مسلم لیگ خود ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹائے گی کہ حکومت کی باگ ڈور آپ لوگ خود ہی سنبھالیں۔" (مڈنائٹ فریڈم)

اس قسم کی بات چیت میں لارڈ مونٹ بیٹن کی شرکت ان کی طرفداری کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

مئی ۱۹۴۷ء میں جب لارڈ مونٹ شملہ گئے اور تنہائی میں ملک کی تقسیم کا چارٹر بنانے لگے تو انہوں نے تقسیم ملک کا یہ چارٹر مشتہر کرنے سے قبل نہرو کو دکھانے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ انہوں نے اپنے دوست کو فوری طور شملہ بلایا اور انہیں تقسیم ملک کا چارٹر پڑھنے کو دیا۔ اس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بنگال کو خود مختاری کا درجہ دے کر وہاں کے لوگوں کی رائے کی مرضی پر فیصلہ محفوظ رکھدیا تھا۔

پنڈت نہرو نے اس کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ اس طرح دوسرے صوبے بھی خود مختاری کا مطالبہ کریں گے۔ اس صورت میں اگر اُن کا پیارا کشمیر ہاتھ سے نکل گیا یا حیدر آباد نے پاکستان میں ملنے کا فیصلہ کیا تو ہندوستان کے وسط میں ایک ایسی ریاست بن جائے گی جسے ہندوستان کبھی ہضم نہیں کر سکے گا۔ کشمیر، حیدر آباد اور بنگال کی دیکھا دیکھی دیگر ریاستیں بھی ہندوستان کے بجائے پاکستان میں ملنے کا یا آزاد رہنے کا فیصلہ کر سکتی ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے پنڈت نہرو کی دلیل تسلیم کر کے بنگال کی تقسیم کا فیصلہ کر لیا اور مشرقی بنگال کا وہ حصّہ پاکستان کے لیے رکھ دیا جس کے بارے میں انہوں نے اپنے دوست نہرو سے کہہ دیا۔

"جناح کی یہ ریاست (مشرقی بنگال) زیادہ دن چلے گی نہیں، چوتھائی صدی گزرتے گزرتے مشرقی بنگال پاکستان سے الگ ہو جائے گا۔"

لارڈ مونٹ بیٹن نے مشرقی بنگال کی یہی بات بعد میں راج گوپال آچاریہ کو بھی بتا دی اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ تقسیم ملک کے دوران کشمیر، مشرقی بنگال، حیدر آباد،

اور جوناگڑھ کے بارے میں لارڈ مونٹ بیٹن اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان کیا UNDER STENDING تھی۔ انہوں نے مشرقی بنگال کو پاکستان سے الگ کرنے کا جو وقت مقرر کیا تھا اُس کے اندر اندر اس پلان پر کارروائی کی گئی۔ کشمیر کے بارے میں تقسیم سے پہلے کانگریس کی کیا پالیسی تھی! یہ جاننے کے لیے ماضی کو ٹٹولنا پڑتا ہے۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل برٹش گورنمنٹ نے گلگت اور بلتستان کا علاقہ جموں و کشمیر گورنمنٹ کو واپس کیا یہ سب پنڈت نہرو اور لارڈ مونٹ بیٹن کی کوششوں سے ہوا کانگریس کو خدشہ تھا کہ اگر یہ علاقہ پہلے ہی شامل نہ کیا گیا تو تقسیم کے بعد مسلم اکثریت کی بنا پر یہ خود بخود پاکستان میں شامل ہو جائے گا۔ چونکہ کشمیر کو پاکستان سے باہر رکھنا ہے لہٰذا گلگت اور بلتستان اس میں شامل کیا جائے تاکہ فوجی لحاظ سے اہم ترین علاقے بھارت کے قبضے میں آجائیں۔ سرکار انگلشیہ یہ علاقے روس اور چین کی پیش قدمی روکنے کے لیے اپنی تحویل میں لیے تھے اب اسے کشمیر کی آڑ میں بھارت کے لیے رکھ دیے گئے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی طرفداری اس بات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جب ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں نے مل کر اسے اپنے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا تو مونٹ بیٹن نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان میں ضم ہو جائیں۔ جودھپور اور جیسلمیر کے راجوں نے دہلی میں محمد علی جناح سے خفیہ ملاقات کی اور پوچھا کہ ہماری آبادی کی اکثریت ہندو ہے لیکن اس کے باوجود اگر ہم آپ کے پاکستان میں شامل ہوں تو آپ ہمیں کیا سہولتیں دیں گے؟

جناح صاحب نے ان دو مہاراجوں کے سامنے سادہ کاغذ رکھدیا کہ جو جو رعائتیں اور سہولتیں آپ چاہتے ہیں لکھ دیجئے میں دستخط کیے دیتا ہوں۔

رعائتیں اور سہولتیں مرتب کرنے کے لیے دونوں راجاؤں نے تھوڑا سا وقت مانگا اور وہ مشورہ کرنے کے لیے ہوٹل جہاں وہ قیام پذیر تھے، چلے گئے۔ وہاں انہوں نے وی۔ پی مینن کو ان کے انتظار میں پایا۔ وی۔ پی مینن کو سی۔ آئی۔ ڈی سے پتہ چلا تھا کہ وہ جناح صاحب سے مل کر آئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے دونوں مہاراجوں سے کہا کہ وائسرائے آپ سے اپنی رہائش گاہ پر فوراً ملنا چاہتے ہیں۔

جودھپور کے مہاراجہ اسی وقت وائسرائے سے ملنے گیا جبکہ جیسلمیر کے راجہ

نے فی الحال آرام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

وی۔ پی مینن نے جب مہاراجہ جودھپور کو وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن سے ملایا تو ان سے عاجزی سے کہا آپ فوراً اس ضدی مہاراجہ کو سمجھایئے ——— ، چنانچہ وائسرائے نے مہاراجہ جودھپور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"صرف اپنے ذاتی فائدے کے لیے اپنی ریاست کی ہندو اکثریت کو پاکستان میں گھسیٹ لے جانا محض بے وقوفی ہے۔ میں اور مسٹر مینن سردار پٹیل کو سمجھائیں گے کہ وہ آپ کی سہولتوں کا خیال رکھیں۔"

اس موقعہ پر مہاراجہ نے غصہ سے وی۔ پی مینن پر پستول سے حملہ کیا اگر مونٹ بیٹن مہاراجہ کو فوراً نہ روکتے تو گولی سے وی۔ پی۔ مینن کی کھوپڑی اڑ گئی ہوتی۔

تقسیم ملک کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے ایک کانگریسی نیتا کی طرح نہ صرف سوچتے، فیصلہ کرتے بلکہ ہر معاملے میں ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھتے تھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کے سیاسی مشیر وی۔ پی۔ مینن نے اپنی کتاب "دی اسٹوری آف انٹرو گیشن آف انڈین اسٹیٹس" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ

"مملکت امور ریاست منظم کرنے کے بعد انہوں نے اور سردار پٹیل نے مل کر ریاست کو بھارت میں شامل کرنے کا ایک وسیع منصوبہ تیار کر کے مونٹ بیٹن کے سامنے پیش کیا اور مونٹ بیٹن نے اس منصوبہ کی تکمیل میں انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔"

اس سے اس بات کی تصدیق ملتی ہے کہ کانگریس کے رہنماؤں نے لارڈ مونٹ بیٹن سے اپنی مرضی کا تقسیم نامہ تیار کروایا تھا جو اُن کی طرف سے جاری کیا گیا۔ وی۔ پی۔ مینن نے لارڈ مونٹ بیٹن سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"..... اس گفتگو کے دو ایک روز بعد میں نے لارڈ مونٹ بیٹن سے ملاقات کی اور سردار پٹیل سے جو پلان طے پایا تھا اس کے بارے میں مفصل بات چیت کی، میں نے کہا جب تک آپ کی مدد شامل حال نہ ہو امور سہ گانہ (دفاع، امور خارجہ، اور رسل و رسائل) میں ریاستیں انڈین یونین سے الحاق نہیں کریں گی اور یہ آپ کے تدبّر کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

اگر آپ ریاستوں کو اس پر آمادہ کریں۔ لارڈ صاحب سے میں نے یہ بھی کہا کہ تقسیم کا زخم آسانی سے مندمل ہو سکتا ہے اگر ریاستیں حکومت ہند کے پرچم تلے آجائیں، آپ کے اس عظیم کارنامے کو آنے والی نسلیں سپاس و تحسین کے الفاظ میں یاد کریں گی۔

میرے ان الفاظ سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ ملک کو بنیادی اتحاد اسی طرح (لارڈ مونٹ بیٹن کا مسکا کرنے سے) مل سکتا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے جواب دیا کہ وہ خود بھی یہی سوچ رہے ہیں۔"

لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کی طرفداری اور پاکستان کی مخالفت میں اس حد تک کیوں گئے؟ کہ مغربی ممالک کے بعض سرکردہ سیاست دانوں کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ لارڈ مونٹ بیٹن نے تقسیم ملک میں جانبداری سے کام لیا۔

اس کے بارے میں برصغیر کی تقسیم سے متعلق دستاویزات اگرچہ خاموش ہیں۔ لیکن بہت گہرائی تک جانے کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کے مطابق میرا اپنا خیال ہے برصغیر کی تقسیم کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے زبردست ڈپلومیسی سے کام لے کر پہلی فرصت میں لارڈ مونٹ بیٹن کو اپنا دوست بنا لیا اس کے بعد ان سے یہ وعدہ کیا کہ انہیں تقسیم ملک کے فوراً بعد ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بنا دیا جائے گا۔ ، اس طرح سے پنڈت نہرو نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے لیے گورنر جنرل کا عہدہ بحال کر کے انہوں نے ان کا اعتماد حاصل کر لیا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے لیے زیر بار احسان کیا۔

تقسیم ملک کے بعد پنڈت نہرو وائسرائے کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنانے کا جواز تھا انہوں نے یہ حد پاکستان تک بڑھا کر وائسرائے کی نظروں میں پاکستانی حکمرانوں کا خاص طور پر محمد علی جناح کو بدظن اور بدگمان کرانے کا سامان مہیا کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے میری یہ تجویز محمد علی جناح کسی بھی صورت میں نہیں مانیں گے اس طرح وائسرائے کے سامنے مجھے سر اُٹھا کر کہنے کا موقع ملے گا۔

"دیکھا جناب! آپ کے بارے میں ہمارے کیا وچار ہیں۔ ہم آپ کو اپنے ملک کا سب سے بڑا عہدہ دے رہے ہیں جبکہ جناح آپ کو خاطر میں ہی نہیں لاتے ہیں"

چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی ——— تقسیم ملک کے اعلان کے بعد پنڈت نہرو جب لارڈ مونٹ بیٹن سے ملے اور ان کے سامنے ہندوستان کے گورنر جنرل رہنے کی پیش کش کی تو یہ ایسی تجویز تھی جو کسی ہندوستانی نے اب تک کسی انگریز کے سامنے نہیں رکھی سامراج کی تاریخ میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ اور یہ بھی اُس وقت جب انگریزوں کو ملک سے نکالا جا رہا تھا۔

یہ دراصل ایک بہت بڑے عہدے کی رشوت تھی۔

بقول لیری کولنس اور دامنک لیپیر آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نے لارڈ مونٹ بیٹن کو وہ منصب پیش کیا جس سے بڑا عہدہ آزاد ہندوستان پیش نہیں کر سکتا تھا۔ دیگر الفاظ میں آزاد ہندوستان نے وائسرائے کے جو اختیارات چھینے تھے وہ دوسری صورت میں انہیں واپس کیے جا رہے تھے۔ پنڈت نہرو کی تجویز پر لارڈ مونٹ بیٹن سوچ میں پڑ گئے۔ بات یہ تھی کہ جب تک ایسی ہی پیش کش مسٹر جناح کی طرف سے بھی نہ ہو وہ اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے لیکن جناح نے لارڈ مونٹ بیٹن کی یہ تجویز رد کر دی، انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا پاکستان کے پہلے گورنر جنرل وہ خود بننا چاہتے ہیں۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے کہا۔

"لیکن یہ آپ کی بھول ہے ہندوستان اور پاکستان دونوں نے انگلستان کے نمونے کا جمہوری نظام اختیار کیا ہے۔ اس میں حکومت کے سارے اختیارات وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہوتے ہیں گورنر جنرل تو برائے نام اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔

پاکستان کا گورنر جنرل میں بنوں گا اور وزیر اعظم کو وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔"

لارڈ مونٹ بیٹن نے گورنر جنرل کے اختیارات کو برائے نام کہہ کر بھی اس عہدے کو قبول کیا، محمد علی جناح کا رویہ انہیں بے حد ناگوار گزرا جس کا بدلہ ان سے مسئلہ کشمیر کے بارے میں لیا گیا۔

اس کا ثبوت اس ٹیلیفون رپورٹ سے مل جاتا ہے جو قبائلی حملہ کے دوران ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ کے دوران جنرل آکنلک نے لاہور سے لارڈ مونٹ بیٹن کو مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ محمد علی جناح نے مسلح فوج کو کشمیر بھیجنے کے جو احکامات جاری کئے تھے وہ

احکامات جناح سے واپس لینے کے لیے میں کامیاب ہو گیا۔

دراصل یہ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی مرضی تھی کہ لارڈ مونٹ بیٹن تقسیم ملک کے بعد دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ گورنر جنرل ہوں اس کا برملا اظہار مسٹر ایٹلی نے ایکٹ آزادئ ہند کا مسودہ ایوان عام میں پیش کرنے کے دوران کیا، چونکہ قائد اعظم محمد علی جناح نے ان کی یہ تجویز ماننے سے انکار کیا اس لیے انہیں ایسا سبق دیا گیا جو تقسیم ملک کی صورت میں نمایاں ہے۔

تقسیم ملک کے بارے میں سرکار انگلشیہ یعنی وزیر اعظم ایٹلی ہندوستان کی طرفداری اور پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کے مفادات کی رکھوالی کیوں کر رہا تھا؟ غور طلب مسئلہ ہے؟

تقسیم ملک کے متعلق کئی کتابیں معرض وجود میں آئی ہیں اور کم از کم ہر ایک کتاب میں لارڈ مونٹ بیٹن اور پنڈت نہرو کے خفیہ تعلقات کے اشارے ملتے ہیں، پنڈت جواہر لال نہرو اپنے موافق فیصلے وائسرائے سے کرا سکے ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام جس میں طرفداری کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہو سرکار انگلشیہ کی مرضی کے بغیر کیا ایسا ممکن تھا ——— ؟ میرے خیال میں نہیں۔

سرکار انگلشیہ اس قسم کی بدنامی کیوں مول لے رہی تھی؟ اس لیے کہ کانگریس نے تقسیم ملک کے بعد دولت مشترکہ میں شامل ہونا قبول کر لیا تھا۔ اس طرح کا وعدہ کر کے کانگریسی رہنماؤں نے سرکار انگلشیہ کی مرضی کا اعادہ کر کے ایسے مراعات حاصل کر لیے جن میں بنگال اور پنجاب کی تقسیم نیز گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلات کی تقسیم شامل تھی تاکہ ریاست کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا راستہ ہموار ہو سکے۔

برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی طرف سے لارڈ مونٹ بیٹن کو ہدایت مل گئی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستان کی سالمیت قائم رکھی جائے اور فریقین کو کیبنٹ مشن پلان کے مطابق اختیارات کے انتقال پر رضامند کیا جائے کہ ہندوستانی افواج کی تقسیم کی نوبت نہ آئے اور دفاع کا یہ ادارہ آل انڈیا بنیاد پر قائم رہے اور دونوں ممالک برطانیہ اور ہندوستان بحر ہند کی حفاظت میں تعاون کرنے کا معاہدہ کریں۔

ظاہر ہے کہ ایٹلی وزارت کی اس ہدایت میں برطانوی مفاد کی حفاظت کی غرض

مضمر تھی تاکہ بحر ہند کے علاقہ میں روس کے اثر کے نفوذ کو روکا جاسکے اور برطانیہ کے ہندوستان اور مشرق بعید کے تجارتی راستے محفوظ رہیں کانگریس کی اس ساری یقین دہانی نے انہیں اپنے موافق فیصلے کرانے میں بڑی مدد دی۔

یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں ہندوستان کے لیے برطانیہ اتنی اہمیت نہیں رکھ سکا جتنا کہ روس، لیکن روسی خطرے کا ہوا کھڑا کر کے تقسیم ملک کے دوران کانگریس نے برطانیہ سرکار سے جو چاہا حاصل کر لیا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے چیف آف اسٹاف لارڈ اسمے نے اپنے DENOI RS میں تسلیم کیا ہے کہ تقسیم ملک کی جس تجویز کی منظوری برطانیہ وزارت سے حاصل کی گئی تھی اس کے مطابق کلکتہ کو ہندوستان میں شامل رکھا گیا تھا یہ بات مسلم لیگ سے مخفی رکھی گئی اور ظاہر یہ کیا گیا کہ کلکتہ کے متعلق فیصلہ باؤنڈری کمیشن کرے گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ کلکتہ ہندوستان میں شامل رکھنے کا فیصلہ بالا بالا ہو چکا تھا اور برطانوی کیبنٹ اس پر فیصلہ صادر کر چکی تھی ظاہر طور پر اس تنازعے کو بھی بنگال باؤنڈری کمیشن کے سپرد کیا گیا اور ریڈ کلف سے کلکتہ کے متعلق فیصلہ ہندوستان کے حق میں کرایا گیا۔

ریڈ کلف کمیشن کا ڈھونگ تحصیل گرداسپور اور بٹالہ کی تقسیم میں بھی سر چڑھ کر بولا۔ ریاست جموں وکشمیر پر تسلط قائم کرنے اور تحصیل گورداسپور اور بٹالہ کو جہاں مسلم آبادی کی اکثریت تھی ہندوستان میں شامل کرنے کے لیے شملہ میں ایک خفیہ سمجھوتہ کیا گیا جہاں لارڈ مونٹ بیٹن لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن اور نہرو نے ایک ساتھ چوبیس گھنٹے گزارے۔


سیرل ریڈ کلف

سر سیرل ریڈ کلف ایوارڈ کے بارے میں حکومت برطانیہ نے جو کاروائی کی وہ بذات خود ایک مشکوک کاروائی تھی حد بندی کی اہم ذمہ داری کو پہلے اقوام متحدہ کے سپرد کیے جانے کا منشا تھا قائد اعظم نے یہ تجویز منظور کی لیکن پنڈت نہرو نے اسے نامنظور کر دیا اس پر سر کار انگلشیہ کی

طرف سے ریڈ کلف کا نام تجویز ہوا۔ سر سیرل ریڈ کلف بیرسٹر ضرور تھے لیکن ابھی وہ پریکٹس کے دور سے گزر رہے تھے۔ اس لیے اس منصب کے لیے سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ کا تقرر مناسب سمجھا گیا مگر یہ بھی نامنظور کیا گیا۔ اس کے بعد سر ظفر اللہ خاں کی تجویز پر وزیر اعظم اٹیلی نے انگلستان کی پریوی کونسل کے تین جج صاحبان کو حد بندی کمیشن میں بطور اراکین شامل کیے جانے کی تجویز منظور کی لیکن لارڈ مونٹ بیٹن نے اس میں اڑچن ڈالدی اور قرعہ فال ریڈ کلف پر پڑا، کیونکہ لارڈ مونٹ بیٹن ان میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔

ریڈ کلف کمیشن کے اراکین میں جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ شامل کیے گئے۔

حد بندی کی ذمہ داری کو اقوام متحدہ کے سپرد کیے جانے کی مخالفت اور سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ کے بجائے ایک جونیر وکیل سیرل ریڈ کلف تو بنگال اور پنجاب کو تقسیم کے لیے بھیجنے کی جو تجویز لارڈ مونٹ بیٹن کی تھی وہ اس وقت رنگ لائی جب ایوارڈ کے سامنے کانگریس اور مسلم لیگ اپنا کیس پیش کرنے سے پہلے ریڈ کلف نے حد بندی لکیر کھینچ لی تھی۔ جسٹس دین محمد نے دو دن قبل جبکہ دونوں ممالک کے وفود سیرل ریڈ کلف سے ملنے والے تھے۔ سر ظفر اللہ خاں سے کہا۔

"تم اپنی طرف سے تحریری بیان تیار کرو اور جیسے بن پڑے بحث بھی کرنا لیکن میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ یہ سب کاروائی محض ایک کھیل ہے حد بندی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سیرل ریڈ کلف اس لائن کا ہوائی جہاز کے ذریعے کل معائنہ کرنا چاہتا ہے۔ پائلٹ کو اس پرواز کے لیے جو تحریری ہدایات دی گئیں وہ میں نے دیکھی ہیں۔ تحریری ہدایت کے کاغذ پر پرواز کے لیے ایک لائن لگی ہوئی ہے مجھے یقین ہے کہ جس لائن پر پرواز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے بالا بالا وہی حد بندی کی لائن پہلے سے طے پا گئی ہے۔"

اس راز کے انکشاف پر سر ظفر اللہ خاں پریشان ہو گئے اور انہوں نے اس کی اطلاع قائد اعظم کو دینا چاہی جو کہ ان دنوں دہلی میں قیام پذیر تھے۔ دہلی ٹیلیفون کے ذریعے اس قسم کی باتیں بھیجنا مناسب نہ سمجھ کر سیرل ریڈ کلف کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو

یہ اڑچن آگئی کہ انہیں تو دونوں طرف سے ایمپائر تسلیم کیا گیا ہے اور اُن کے فیصلے کی پابندی لازمی ہے۔ لہٰذا اب کیا کیا جاسکتا ہے۔"

بحرحال وقت مقررہ پر کمیشن کے سامنے بحث شروع ہوئی بھارت کی طرف سے مسٹر موتی لال ستیلواڑ اور اُن کے مشیر بخشی ٹیک چند تھے۔ بحث و مباحثہ کے بعد جب موتی لال ستیلواڑ، شیخ عبدالحق ایڈووکیٹ کے ہاں گئے تو انہوں نے چائے نوشی کے دوران شیخ عبدالحق کے سامنے صاف صاف کہہ دیا۔

"اگر حدبندی کا فیصلہ بحث میں پیش کردہ دلائل کی بنا پر ہوا تو تم لوگ بازی لے جاؤ گے لیکن کمیشن کی کاروائی ایک ڈھونگ اور کمیشن کے روبرو بحث و مباحثہ بالکل لاحاصل۔"

چنانچہ، ۱۷ اگست کو پنجاب کی تقسیم کا اعلان ہوا تو مسلم لیگ ششدر ہوگئی۔ سیرل ریڈکلف نے پنجاب کی تقسیم پر جو لائن لگادی تھی یہ وہی لائن تھی جو جسٹس دین محمد پائلیٹ کے ذریعے ہاتھ لگ گئی تھی اور اسے دیکھ کر انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ باؤنڈری کمیشن ایک ڈھونگ ہے اور جو لائن پرواز کی ہدایت والے نقشہ میں دکھائی گئی ہے وہی لائن بالا بالا پنجاب کی تقسیم کے لیے حدبندی کی لائن مقرر کی جاچکی ہے۔ جس کے مطابق مسلم آبادی کے اکثریت والے کئی علاقے بالخصوص گرداسپور اور بٹالہ پاکستان کے بجائے ہندوستان میں شامل کیے گئے۔

جس دن ریڈکلف نے پنجاب باؤنڈری کمیشن کے اراکین پر اپنے معائنے کے ارادے کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے ہی نقشہ لارڈ مونٹ بیٹن کے چیف آف اسٹاف لارڈ اسمے کے دفتر میں تیار کیا گیا تھا۔ جسٹس دین محمد کو جب اس راز کا پہلے ہی پتہ چلا تو انہوں نے قائداعظم کے پاس جاکر حدبندی کمیشن سے مستعفی ہونے کی اجازت چاہی قائداعظم نے کمیشن سے مستعفی ہونے کی اجازت نہیں دی لیکن ۸ اگست ۱۹۴۷ء کو جسٹس دین محمد کی رپورٹ کی بنا پر قائداعظم نے چوہدری محمد علی کے ذریعے لارڈ اسمے کو ایک احتجاجی پیغام بھیجا۔ اس بارے میں چوہدری محمد علی "دی امرجنسی آف پاکستان" میں لکھتے ہیں۔

"قائداعظم کا پیغام لے کر جب میں لارڈ اسمے سے ملنے وائسرائے ہاؤس گیا۔ اسے اس وقت ریڈکلف سے مذاکرات میں مصروف تھے۔ جب انہیں قائداعظم کا پیغام

پہنچایا تو انہوں نے اس میں درج الزامات سے صاف انکار کیا، اسمے کے کمرے میں ایک نقشہ ٹنگ رہا تھا میں نے اسمے کو اشارے سے نقشے کے قریب بلایا تاکہ نقشے میں اپنی بات کی وضاحت کرسکوں، میں نے دیکھا اس نقشے پر صوبہ پنجاب میں پنسل سے ایک لکیر لگی ہوئی ہے جو بالکل اس رپورٹ کے مطابق تھی جو جسٹس دین محمد کے ذریعے قائداعظم کو ملی تھی، میں نے اسمے سے کہا قائداعظم کو جو رپورٹ ملی ہے اس کی وضاحت کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے نقشے پر پنسل سے بنی ہوئی لائن خود منہ سے بول رہی ہے۔" اسمے کا رنگ فق ہوا اور وہ کھسیانہ ہوکر کہنے لگا۔

"میرے نقشے میں یہ کس نے گڑبڑ کی ہے۔"

پنجاب کے نقشے میں یہ گڑبڑ اور پنجاب کی تقسیم میں یہ ہیرا پھیری محض کشمیر کی وجہ سے کی گئی "کشمیر کے بارے میں آل انڈیا کانگریس نے جہاں شیخ محمد عبداللہ کو پہلے ہی اعتماد میں لیا تھا وہاں لارڈ مونٹ بیٹن کو بھی اس سازش کا شریک کار بنادیا چنانچہ اسی سلسلے میں لارڈ مونٹ بیٹن ۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو سرینگر آگئے اور مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات کے دوران انہوں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ ۱۴ اگست سے پہلے پہلے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے۔ کیونکہ نظام حیدرآباد اور مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے اپنے ملک کو آزاد رکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ان دونوں مہاراجوں کے بارے میں کہا جارہا تھا کہ

"نظام حیدرآباد کی رعایا ہندو اکثریت مسلمان حکمرانوں کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن وہ اپنی ریاست کو آزاد رکھنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہی ایک خواب ملک کے دوسرے سرے پر ایک اور طاقت ور مہاراجہ کے دماغ میں پل رہا تھا کشمیر کا راجہ ہری سنگھ برہمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن ریاست کی اکثریت مسلمان تھی، کشمیر اپنی خوبصورتی کے علاوہ فوجی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اس کی سرحد چین اور افغانستان سے ملتی ہیں اور مستقبل میں پاکستان سے بھی ملنے والی تھی (پاکستان ابھی بنا نہیں تھا) نظام حیدرآباد کی طرح مہاراجہ ہری سنگھ بھی ریاست کو آزاد رکھنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔"

ان دونوں ریاستوں کی آزادی اور حق خودارادیت ایک خواب سے تعبیر

کرکے اپنی نیت کا فتور واضح کرکے ان دونوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تاریخ کا ایک اہم باب بن گیا ہے چنانچہ اسی خواب کو ملیا میٹ کرنے جب لارڈ مونٹ بیٹن سرینگر تشریف لائے تو ان کے اس دورے کے بارے میں غلط رپورٹیں منصۂ شہود پر لائی گئیں۔ ایک جھوٹ یہ بولا گیا کہ لارڈ مونٹ بیٹن نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ ۱۴ اگست تک کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرے۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے اس دورے کا حال ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے ایک اجلاس میں تقریر کے دوران بیان کیا تھا جو ان کے پریس اتاشی ایلن کیمبل جانسن کی ڈائری "مشن ود مونٹ بیٹن" کے ذریعے ہم تک پہنچا، وہ لکھتے ہیں۔

"مونٹ بیٹن نے مہاراجہ پر زور دیا کہ تمہاری رعایا جس ملک سے الحاق چاہتی ہے اس کے ساتھ الحاق کرو!"

یہ حقیقت سے بعید بیان ہے اور گمراہ کن بھی جبکہ انہوں نے مہاراجہ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے پر زور دیا تھا۔ اس کی تصدیق رام چند کاک نے کی ہے۔ خود لارڈ مونٹ بیٹن نے "ٹرانسفر آف پاور" میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ کہ

"کشمیر کے الحاق کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت نہرو کے ساتھ میری دوستی بہت کام آئی یہ اسی دوستی کا نتیجہ تھا کہ جس نے کشمیر کی تقدیر بدلنے میں اہم رول ادا کیا۔"

دراصل کیمبل جانسن اور ایسے دوسرے برطانوی اور ہندوستانی مصنفین نے کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر لارڈ مونٹ بیٹن کے کردار کو صاف رکھنے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن لارڈ مونٹ بیٹن نے ریاست میں فوجیں بھیجنے سے قبل مہاراجہ سے دستاویز الحاق حاصل کرنے کا مشورہ کانگریس کو دے کر اپنے بارے میں تمام خوش فہمیاں دور کر دیں۔

کہا جا رہا ہے کہ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو انہوں نے تابع رائے شماری رکھ دیا۔ لیکن کسی کو یہ کہنے کی اخلاقی جرأت نہ ہوئی کہ اس رائے شماری کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان بات چیت سے وہ پورے باخبر تھے اور جانتے تھے الحاق کو تابع رائے شماری رکھنا محض ایک دکھاوا ہے تاکہ پاکستان کے ساتھ بیرونی دنیا کا منہ بند رکھا جا سکے۔

کشمیر کی رائے شماری اور بنگال و پنجاب کی تقسیم کے بارے میں وہ کھلا ذہن رکھتے تھے وہ جانتے تھے۔ رائے شماری نہیں ہوگی، کشمیر کے لیے پاکستان کا راستہ نہیں رہے گا اور مشرقی بنگال پاکستان کے ساتھ نہیں رہ سکے گا۔

کشمیر کے بارے میں لارڈ مونٹ بیٹن کے حقیقی نظریئے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ الحاق کے بعد سٹیٹسمین STATES MAN کے ایڈیٹر مسٹر آئین اسٹیفن نے اخبار میں ایک زبردست اداریہ لکھا جس میں کشمیر میں بھارت کے اقدام کو غلط ٹھہرایا گیا تھا اس پر مونٹ بیٹن نے اسٹیفن کو اپنے دفتر میں طلب کرکے ان کی سرزنش کی اور بتایا۔

"جعلسازی اور جھانسے کی بنیاد پر قوم تعمیر نہیں ہوتی، جناح ایبٹ آباد میں بیٹھ کر کشمیر کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن انہیں مایوسی ہوگی۔!"

لارڈ مونٹ بیٹن کی سازش اور بھارت کی طرفداری کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب کشمیر میں جنگ زوروں پر تھی اور بھارت فوجی اقدام سے مایوس ہو کر سلامتی کونسل میں مسئلہ پیش کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو مونٹ بیٹن نے اپنے پریس اتاشی کیمبل جانسن سے کہا۔

نہرو کے بارے میں، میں بہت مشوش ہو رہا ہوں مجھے خوف اس بات کا ہے کہ کہیں وہ خوشامد اور چاپلوسی کے زیر اثر آکر کشمیر کے معاملے میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ (مشن ود مونٹ بیٹن)

جب قائداعظم نے انہیں پاکستان کا گورنر جنرل بنانے سے انکار کیا تو اُن کے پندار پر یہ کاری ایسی کاری ضرب پڑی کہ وہ بوکھلا گئے اور وہ قائداعظم کے ساتھ بدزبانی اور دھمکیوں پر اتر آئے۔ یہ گفتگو ۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ دو دن بعد لارڈ مونٹ بیٹن نے قائداعظم کے انکاری فیصلے کی رپورٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کو بھیجی اس میں گفتگو کو ایک BOMBSHELL قرار دیتے ہوئے لکھا۔

"میں نے ان (قائداعظم) سے دریافت کیا معلوم ہے آپ کو یہ انکار کتنا مہنگا پڑے گا؟ انہوں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

ہاں! ASSETS کی تقسیم میں غالباً کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

ں نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"کروڑوں کا نہیں بلکہ آپ سارے ASSETS کھو بیٹھیں گے اور پاکستان کا مستقبل بھی! (لارڈ مونٹ بیٹن کی رپورٹ ۱۱۔مورخہ ۴ جولائی ۱۹۴۷ء)

اس دھمکی جو اس رپورٹ میں نمایاں ہے اس سے نہ صرف مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کی سازش آشکار ہوتی ہے۔ بلکہ انتقام کے طور پر پاکستان کا مستقبل تباہ کرنے کا عزم بھی جھلکتا ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کے ان عزائم کو اگر ہم اُس کڑی کے ساتھ جوڑ دیں جو سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پاکستان کے وجود پر ظاہر کیے تھے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔

تقسیم ملک کی تجویز کے ساتھ مہاتما گاندھی نے صاف انکار کر دیا تو یہ سردار پٹیل ہی تھے جنہوں نے کہا تھا۔

"ان کو (جناح صاحب) پاکستان لینے دو، فرق کیا پڑتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ پاکستان چھ سات سال چلے گا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے لیڈر خود بخود ہمارے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اس ملک کو آپ ہی سنبھالیں۔"

دراصل لارڈ مونٹ بیٹن اور کانگریسی نیتاؤں کے درمیان یہ بات طے پا چکی تھی کہ پاکستان چلنے والا نہیں اور نہ ہی اسے چلنے دیا جائے گا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے پہلے مرحلے پر پاکستان کو وہ کروڑوں روپے روک دئے گئے جو تقسیم کی صورت میں اس کے حصے میں آئے تھے۔ اس کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں کا قتل ہوا۔

پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں کے قتل کو اس سازش کے ساتھ جوڑنے کی تحریک ہمیں شیخ محمد عبداللہ کے اس بیان سے ملتی ہے جو ریاست کا ایڈمنسٹریٹر بن کر انہوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات کے بارے دیا ہے۔

"سردار پٹیل نہیں چاہتے تھے میں ریاست کا خود مختار حاکم بن جاؤں وہ مجھے مہاراجہ ہری سنگھ کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ پنڈت نہرو کے ساتھ اس بات پر ان کے اختلافات بڑھ گئے جس کے کارن انہوں نے وزارت سے استعفا دے دیا۔ پنڈت نہرو کی ہدایت پر میں انہیں منانے گیا میں نے انہیں اپنی طرف سے پورا بھروسہ دیا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو ہندوستان کے خلاف ہو، انہوں نے مجھے اور باتوں کے علاوہ بتایا تم پاکستان کا خیال ذہن سے نکالدو، یہ زیادہ دیر تک چلنے والا نہیں، جناح زیادہ دیر تک

اب جیے گا نہیں اور لیاقت علی خان اب رہے گا نہیں۔ پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا تم اپنی ساری توجہ ہندوستان کے ساتھ میذول کرو!"

شیخ محمد عبداللہ کا یہ بیان اُن کی کتاب "آتش چنار" سے حذف کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت برسوں تک چھپائی جا سکتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے نہیں۔

یہ ساری کاروائی لارڈ مونٹ بیٹن کے انتقام میں مضمر تھا۔ انہوں نے پاکستان سے ایسا انتقام لیا جو تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کو اپنانے میں نہرو نے جو رول ادا کیا اس سے صاف دکھائی دیتا ہے وہ جناح کے مقابلے میں زبردست دور اندیش تھے۔



پنڈت جواہر لال نہرو کے لارڈ مونٹ بیٹن سے دوستی اور ان کی بیوی کے ساتھ خاص تعلقات نے مسئلہ کشمیر پر ایک خاص اثر ڈالا۔



ایک تاریخی تقریب ــــ جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی ایئرپورٹ پر پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کی۔ ساتھ محترمہ فاطمہ جناح صاحبہ اپنے ساتھ کھڑے بزرگ کے سلسلے انتقال اقتدار کی دستاویز پڑھ رہے ہیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے چہرے سے صاف عیاں ہے وہ کتنا بار اس کے ماتھے کی شکن انتظامی جذبے کو ابھار کر رہے ہیں۔



اوپر:۔ جموں سے پاکستان جانے والے رفیوجی۔
نیچے:۔ جموں میں رفیوجی کیمپ میں مہاجرین کو امداد دی جا رہی ہے۔
شیخ صاحب نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا تو اپنے آپ کو مرکزی سرکار کی نظر میں مشکوک بنا دیا۔



پاتیشن میں برصغیر کے عوام کی اتھل پتھل کا ایک منظر۔

تری رہبری کا یہ فیض ہے قدم اہل شوق کے رُک گئے
نہ کہیں جواز سفر ملا نہ کوئی دلیل قیام ہے

عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام

علاقہ پونچھ میں حالات خراب ہونے لگے اور بغاوت کی چنگاریاں سلگنے لگیں تو کشمیر دربار نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے وزیراعظم رام چند کاک کو پونچھ روانہ کیا لیکن یہاں کے لوگوں نے "کوئٹ کشمیر" تحریک کی پاداش میں لیڈران قوم کی گرفتاریوں کے خلاف بطور احتجاج وزیراعظم سے ملنے سے صاف انکار کیا اور بات چیت کے لیے مہاراجہ کو بھیجنے کے لیے کہا۔ ڈوگرہ راج کے خلاف بغاوت کی اس تحریک میں سدھن بڑے سرگرم تھے ان کے لیڈر سردار محمد ابراہیم خاں اور صوبیدار خان محمد خاں جیسے لوگوں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ رام چند کاک کی ناکام واپسی کے بعد مہاراج ہری سنگھ نے بذات خود سدھنتی کے عوام سے ملنے کا فیصلہ کر لیا مہاراجہ کے اس فیصلے سے کانگریس کو تشویش لاحق ہو گئی۔

سردار محمد ابراہیم خاں، خان محمد خان اور خان عبدالقیوم خان مہاراجہ کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے راول کوٹ آئے انہوں نے بڑے پیمانے پر مہاراجہ کے سواگت کی تیاریاں کیں یہ لوگ اپنے ساتھ علاقہ باغ اور سدھنتی سے تعلق رکھنے والے دوسری جنگ عظیم کے ریٹائرڈ سپاہیوں اور دیگر لوگوں کو بھی لائے تاکہ وہ مہاراجہ کا گارڈ آف آنر پیش کر سکیں، دلی میں پنڈت نہرو کو مہاراجہ کے استقبال کی تیاریوں کی اطلاع مل گئی تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے فوری طور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ چنانچہ لارڈ صاحب نے اپنا خاص ایلچی روانہ کیا جنہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے انگریز صلح کار سے رابطہ قایم کیا۔ یہ صلح کار مہاراجہ کے پونچھ دورے کے دوران ان کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ اس صلح کار نے مہاراجہ کو گیسٹ ہاؤس میں بتایا ہمیں ابھی ابھی اطلاع ملی ہے سردار ابراہیم خان سابقہ فوجیوں کی مدد سے مہاراجہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے والے ہیں وہ ہم سب کو گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا آگے جانے اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے کا پروگرام منسوخ کیا جائے۔ مہاراجہ صلح کار کی باتوں میں آ گیا اور تحصیل باغ سدھنتی کے عوام سے ملے

بغیر ہی پونچھ چلا گیا۔

جب ان لوگوں کو پتہ چلا مہاراجہ ان سے ملے بغیر روانہ ہو چکا ہے تو انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ سردار محمد ابراہیم خاں اور خان عبدالقیوم خاں نے استقبال کے لیے آئے ہوئے عوامی اجتماع میں فرمایا۔ "جو مہاراجہ ہم سے ملاقات کرنے کے لیے تیار نہیں ہم ان کے احکامات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" عوام کے سامنے انہوں نے حلف لے لیا ہم مہاراجہ سے اس توہین کا بدلہ لیں گے۔



سردار محمد ابراہیم خان نے سابقہ فوجیوں اور بعض جوانوں کی ایک پلٹن تیار کر لی اسے آزاد فوج کا نام دیا گیا۔ چنانچہ

جوناگڈھ کے مقام پر یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عارضی متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا اور نواب جوناگڈھ کو معزول کیا گیا، مفتی ضیاء الدین ضیا کو عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا صدر بنانے کی تجویز پیش کی گئی لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا، کافی غور و خوض کے بعد قرعہ فال خواجہ غلام نبی گلکار انور کے نام پڑا۔



۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات کے مقام پر ایک اور میٹنگ ہوئی جس کی صدارت غضنفر علی خاں نے کی، ملک عبدالرحیم خادم، گجراتی پلیڈر سے متوازی حکومت کا مسودہ تیار کرایا گیا اور اس کے نقول امیر عالم صاحب کوٹلی، چوہدری رحیم داد صاحب اور مرزا صاحب لاہور کو بھیجدیے گئے۔

۱۳ اکتوبر کو بمقام پیرس ہوٹل ریلوے پل راولپنڈی میں کارکنوں کی میٹنگیں ہوئیں۔ آخر مسودہ پاس ہو کر خواجہ غلام نبی گلکار انور سے بحیثیت صدر دستخط لیے گئے اور عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان ہوا، مہاراجہ ہری سنگھ کے نام ان کی معزولی کا تار راولپنڈی تار گھر سے دے دیا گیا۔ اس تار کے نقول ہندوستان

اور پاکستان کے اخبارات کے علاوہ پاکستان انٹرنیشنل کو بھی بھیجدیے گئے۔

پاکستان ٹائمز کے نمائندے مسٹر بشارت اور احمد گل کوثر مدیر اخبار "ہمارا کشمیر" مظفرآباد نے ممبران کیبنٹ کی اجازت سے سردار محمد ابراہیم خان پرائم منسٹر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا بیان تیار کر کے شائع کر دیا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور بانی صدر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے بیان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے ایک بجے رات کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی کے ساتھ عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام بمقام مظفرآباد عمل لایا گیا اور غلام نبی گلکار اس حکومت کا پہلا صدر ہے۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل راولپنڈی حسب ذیل وزیر اور عہدیدار مقرر ہوئے۔

صدر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" غلام نبی گلکار انور

پرائم منسٹر: سردار محمد ابراہیم خاں

وزیر مالیات:۔ سید نذیر حسین شاہ

وزیر دفاع:۔ مولوی غلام حیدر جنڈالوی

چیف سیکرٹری آفیسر:۔ گل احمد خان کوثر

میٹنگ میں یہ فیصلہ بھی لیا گیا کہ خواجہ غلام نبی گلکار کو سرینگر روانہ کر دیا جائے اور ان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انڈر گراؤنڈ حکومت میں جس کو چاہے وزیر بنا سکتے ہیں۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مظفرآباد ریڈیو سے پے در پے عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے قیام کا اعلان ہوتا رہا۔

۲۶ اکتوبر کو گلکار صاحب سرینگر کی طرف روانہ ہوئے تو دو میل پل کے پاس انہیں عبدالرحیم درانی ملے جن کو عارضی صدر ڈیفنس سیکرٹری نامزد کر کے انہیں کشمیر چھوڑ دینے کو کہا خواجہ غلام الدین وانی کو بھی لاہور جانے کی ہدایت دی گئی۔

خواجہ غلام نبی گلکار ۲۸ اکتوبر کو شیخ عبداللہ سے ان کے آبائی گھر صورہ میں ملے ان کے درمیان خفیہ میٹنگوں کے کئی دور ہوئے یہاں پر عارضی حکومت کے لیے جو وزیر اور عہدیدار نامزد کیے گئے۔ ان

وزراء اور عہدیداروں کے بارے میں اخبار "ہمارا کشمیر" مظفرآباد سے جو تفصیلات ملی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

وزیر تعلیم، مسٹر علیم (ڈاکٹر نذر الاسلام پی ایچ ڈی)
وزیر زراعت :۔ مسٹر فہیم (اندرون کشمیر سے پوشیدہ)
وزیر عدل و انصاف (اندرون کشمیر سے پوشیدہ)
وزیر صحت و صفائی :۔ مسٹر لقمان (ڈاکٹر وزیر احمد خاں)
وزیر صنعت و حرفت (اندرون کشمیر سے۔ پوشیدہ)
گورنر کشمیر :۔ (اندرون کشمیر سے۔ پوشیدہ)
ڈائریکٹر ریشم خانہ (پوشیدہ)
ڈائریکٹر میڈیکل سروس : (ڈاکٹر بشیر محمود وانی پونچھ)
چیف انجینئر (خلیفہ عبدالمنان صاحب)
انسپکٹر جنرل آف پولیس : (مسٹر حکیم صاحب)
سیکرٹری فار ٹرانسپورٹ : (مسٹر رحمت اللہ آف چراغ دین اینڈ سنز)
ڈپٹی پبلسٹی آفیسر :۔ (خواجہ عبدالغفار ڈار)

انڈر گراؤنڈ گورنمنٹ کی تشکیل جو راولپنڈی اور اس کے علاوہ صورہ سرینگر میں ترتیب دی گئی فوجی رضا کاروں کو منظم کرنے کے لیے مسٹر جون (فکشس نام) کو بحیثیت کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا اور مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کی سکیم کی تعمیل میں غور و خوض کیا گیا۔ اس اسکیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کیپٹن بدرالدین، کیپٹن جمال الدین، مرزا میاں عبدالرشید ایم۔ ایل۔ اے کے علاوہ اور کئی ریٹائرڈ فوجی آفیسروں کا تعاون حاصل کیا گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کا آپریشن کارونیشن ہوٹل لال چوک کے ایک کمرے میں ترتیب دیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ کو محمد علی جناح سے ملنے کے لیے دن اور وقت مقرر کیا گیا۔

جہاد کشمیر سے پہلے عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے چیف پبلسٹی آفیسر احمد گل کوثر کی طرف سے ایک مفصل منشور تیار کر لیا گیا جس کا اعلان جنگی بگل بجتے ہی کیا جانا تھا۔ یہ ایک قسم کا سیاسی منشور تھا جس میں جہاد کی غرض و غائت اور کشمیر کو فتح کرنے کے بعد نظم و نسق کی تشکیل اور اہل کشمیر کی حق خود ارادیت وغیرہ سب شامل تھا۔ یہ مسودہ نامور

شاعر فیض احمد فیض سابقہ ایڈیٹر "پاکستان ٹائمز" کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کے ساتھ ان کی وفادار فوج کے ساتھ برسرپیکار ہونے کی صورت میں گولی کا جواب گولی سے دینے کے لیے لاہور سے خفیہ طور پر بندوقیں پستول اور دستی بم منگوائے گئے، جو لاہور سے روانہ ہونے کے باوجود سرینگر پہنچ نہیں پا رہے تھے۔ بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق، سوہن لال موٹر کمپنی کے ڈرائیور غلام محمد ڈار کی مدد سے راولپنڈی روانہ ہو گئے تھے۔ یہ دونوں سامان حرب حاصل کر کے سرینگر روانہ کر رہے تھے لیکن یہ سامان کہاں گیا اس کے بارے میں کسی کو کوئی پتہ نہ چل سکا۔

غلام نبی گلکار کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کی معذولی کے حکم کے ساتھ ہی ڈوگرہ حکومت چوکنا ہو گئی چنانچہ میرپور اور پونچھ کمک روانہ کی گئی تاکہ کسی بھی قسم کی شورش کو دبایا جا سکے۔ ڈوگرہ حکومت نے راولپنڈی سے سرینگر تک راستے پر نگرانی کا ایک جال بچھا دیا تھا۔ اس لیے اندازہ یہی کیا جا سکتا کہ جو گولہ بارود لاہور سے سرینگر آ رہا تھا وہ راستے میں ہی پکڑا جاتا تھا۔

حکومت کی طرف سے میرپور اور پونچھ فوجی کمک بھیجنے سے وہاں کی صورت حال سخت نازک ہو گئی۔ ان علاقہ جات میں مسلمان نہتے ہونے کے باوجود بے جگری سے ڈوگرہ فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔

مسلم کانفرنس کی قیادت نے پونچھ، میرپور اور مظفر آباد کے علاقوں میں آزادی کی تحریک کو منظم کرنے کی کوشش کی اور کشمیری مسلمانوں میں یہ جذبہ بیدار کیا کہ اب وہ مہاراجہ کی غلامی کسی بھی صورت میں برداشت نہ کریں، چنانچہ ریاست کا ایک بڑا حصہ ڈوگرہ راج کے چنگل سے آزاد کر لیا گیا۔

اسی دوران سرینگر میں غلام نبی گلکار انور کی گرفتاری کی خبر پھیلتے ہی یہ مسئلہ سامنے آیا کہ اب کن کو صدر بنایا جائے۔ پاکستان گورنمنٹ کی یہ خواہش تھی کہ "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کا صدر پڑھا لکھا اور معروف سیاستداں ہونا چاہیے انہوں نے اپنی طرف سے اس کے لیے تین نام تجویز کیے۔

(۱) میر واعظ مولوی یوسف شاہ (۲) چوہدری حمید اللہ خان (۳) سردار محمد ابراہیم خان چوہدری حمید اللہ خاں نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ ان کے کنبے

کے افراد سرینگر اور جموں میں ہونے کے سبب وہ مصائب کے شکار بنائے جا سکتے۔ مولوی یوسف شاہ کے بارے میں اختلافات کی گنجائش موجود تھی لہٰذا سردار محمد ابراہیم خاں صدر منتخب ہوئے۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان نے رات کے خبروں کے بلیٹن میں یہ خبر بھی نشر کی کہ تراڑ کھل میں مجاہدین آزادی نے سردار ابراہیم خاں کی قیادت میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت "آزاد کشمیر" کے نام سے قائم کی ہے۔ ساتھ ہی صدر آزاد کشمیر کا یہ اعلان بھی نشر ہوا۔

"آج سے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت ساری ریاست میں منسوخ ہوتی ہے اور نئی حکومت ریاست کا نظم و نسق سنبھال چکی ہے۔ یہ حکومت اپنے عوام کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرے گی، ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے تمام غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرے گی "آزاد کشمیر" کی حکومت ہند سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اس حکومت کو تسلیم کرے اور اس کی امداد کرے کیونکہ یہی عوام کی جائز اور صحیح حکومت ہے۔"

اس کے ساتھ ہی "آزاد کشمیر" حکومت کی نشریات شروع ہوئیں۔ سردار محمد ابراہیم خان کابینہ کا اعلان ہوا۔

سردار محمد ابراہیم خاں۔ صدر
سید علی شاہ :۔ ڈیفنس منسٹر
چوہدری عبدالرحمان خاں :۔ ریونیو منسٹر
ثنا اللہ شمیم :۔ وزیر سول سپلائیز
خواجہ غلام الدین وانی :۔ ہوم منسٹر
میر واعظ یوسف شاہ :۔ وزیر تعلیم
سید نذیر حسین شاہ :۔ وزیر خزانہ

بعد میں اس کیبنٹ میں توسیع کی گئی۔

حکومت آزاد کشمیر صدر مقام دریائے جہلم کے قریب پونچھ کے ایک قصبے پلندری کو مقرر کیا گیا۔ پونچھ شہر کے ساتھ سارا علاقہ ضلع راجوری اور ضلع میرپور سے اکھنور تک کا سارا علاقہ ڈوگرہ تسلط سے آزاد ہو چکا تھا۔ اکھنور کے فوجی کیمپ کا گولہ بارود اور ہتھیار

مجاہدین کے ہاتھ لگ گیا۔

جموں شہر ڈوگرہ راج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بھمبر شہر میں وہاں کے شہریوں نے ڈوگرہ سپاہیوں کو شکست فاش دے کر بھگا دیا تھا ادھر مظفر آباد سے آزاد فوج قبائلیوں کی مدد سے مظفر آباد کو ڈوگرہ سپاہیوں سے خالی کرا کر سرینگر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

چھکوٹی کے مقام پر انہوں نے اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ یہاں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے مجاہدین بندوارہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

ادھر گلگت کی طرف پورا گلگت ان کے قبضے میں تھا۔ لداخ کا کچھ علاقہ بھی ان کے کنٹرول میں آ گیا تھا۔

سردار محمد ابراہیم خاں نے اپنی کتاب "دی کشمیر ساگا" میں لکھا ہے۔

"آزاد فوج تعداد کے لحاظ سے بے حد قلیل تھی اور ہتھیار تو ان کے پاس نہ ہونے کے برابر تھے اس کے باوجود آزاد فوج کا اس قدر وسیع و عریض علاقے ڈوگرہ راج سے آزاد کرا لینا ایک معجزہ سے کچھ کم نہ تھا ـــــ لیکن تاریخ میں اس طرح معجزوں کی مثالیں بھی کم نہیں۔"

میجر جنرل فضل مقیم کی کتاب "دی اسٹوری آف دی پاکستان آرمی" میں لکھا ہے۔ ۲۲ اکتوبر کو کشمیری مجاہدین کی امداد کے لیے شمال مغربی سرحدی صوبے سے قبائلی مجاہدین ریاست میں داخل ہوئے ـــ ریاستی مسلمانوں کی حالت زار کی داستانیں سن کر پاکستان کے مسلمانوں کا زیادہ دیر تک خاموش تماشائی بنے رہنا مشکل تھا۔ اس کے باوجود حکومت پاکستان نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ اس کی فوجی مداخلت سے بھارت کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ اپنے شہریوں کو ریاستی مسلمانوں کی مدد کے لیے جانے سے مثبت طور پر روکا۔ لیکن قبائلی مجاہدین نے جو براہ راست حکومت پاکستان کے انتظامی کنٹرول میں نہیں تھے۔ حکومت کے ان احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ریاست کے حدود میں داخل ہو گئے۔

میجر جنرل فضل مقیم کی یہ دلیل ناقابل فہم ہے کیونکہ قبائلیوں کو کشمیر کی مہم پر روانہ کرنا پاکستانی حکمرانوں کا ایک پلان تھا۔ جس پر باضابطہ غور کر کے عمل کیا گیا۔ ان حالات سے مہاراجہ کو سخت تشویش لاحق ہو گئی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے کہ کیا کیا جائے، فوجی کارروائی کے باوجود کئی علاقے ان کے کنٹرول سے نکل گئے۔



(بائیں) خواجہ احمد شاہ، شیخ محمد عبداللہ، مسعود الدین شال (دائیں)

تحریک حریت کے دوران شیخ محمد عبداللہ پچھلی صف کے لیڈر رہتے۔
کانگریس نے انہیں پچھلی صف سے اٹھا کر اگلی صف میں لایا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کشمیر پر حملے کی شروعات
شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیاں

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے فیصلے سے جب ہندوستان اور پاکستان کو ڈپٹی وزیر اعظم رام لال بترہ کی طرف سے آگاہ کیا گیا تو دونوں ممالک بزور طاقت کشمیر پر چڑھائی کرنے کی کاروائی کرنے لگے۔ اس بارے میں دونوں ممالک ایک دوسرے پر سبقت لینا چاہتے تھے۔

پونچھ راجوری اور میرپور میں ڈوگرہ فوجوں کے ساتھ ساتھ انگریز فوج مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی تھی ان علاقوں کے مسلمانوں کو فوجی نرغے سے بچانے کے لیے قبائلی پٹھان مقامی آبادی کی مدد کر رہی تھی کہ ہندوستان نے کشمیر پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا قبل اس کے کہ وہ اس کاروائی پر عمل کرتے پاکستان کو اس کی اطلاع مل گئی۔

۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستانی حکمرانوں نے ایک ہنگامی میٹنگ بلائی اس کی صدارت نوابزادہ لیاقت علی خاں نے کی، میٹنگ میں نواب افتخار حسین ممدوٹ، چوہدری علی محمد، قربان علی، سکندر مرزا، خان عبدالقیوم خاں، سردار شوکت حیات خاں، میجر اکبر خاں، بریگیڈیر شیر خاں، شاہد حمید اور کرنل خورشید انور شامل تھے۔ میٹنگ میں طے پایا کہ میرپور اور پونچھ کی عوامی تحریک اور اس میں قبائلی پٹھانوں کی مداخلت کی آڑ میں کشمیر پر فوجی حملہ کیا جائے۔

سردار شوکت حیات خاں اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے ایک مشورہ دیا کہ حملہ سے پہلے ایک وفد کشمیر بھیجا جائے تاکہ ایک بار اور شیخ عبداللہ کے خیالات سے آگاہی ہو سکے جو یک طرفہ طور پر معاہدہ کو توڑ چکے تھے۔

چنانچہ محمد دین تاثیر اور شیخ صادق حسن کو سرینگر روانہ کیا گیا۔

یہ دونوں حضرات سرینگر میں شیخ عبداللہ سے ملے اور انہیں اس بات کے لیے راضی کرنے لگے کہ وہ پاکستان جاکر وہاں مسلم لیگ کے لیڈروں سے آمنے سامنے بات چیت کرے شیخ عبداللہ کے دل میں جو گرفتاری کا خدشہ تھا اور جو خدشہ ان کے دل میں ڈال دیا گیا تھا وہ انہیں پاکستان جانے سے روک رہا تھا۔

شیخ صاحب اگر ان دونوں اصحاب کے سامنے اپنا خدشہ ظاہر کرتے یا ان سے پاکستانی حکمرانوں کی شکایت کرتے تو شاید بات کھل جاتی لیکن شیخ صاحب دوسری بولی بول رہے تھے ــــ، وہ کسی بھی صورت میں پاکستان جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

آخر کافی لے دے کے بعد انہوں نے اپنی طرف سے خواجہ غلام محمد صادق کو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ غلام محمد صادق لاہور پہنچ کر جب پاکستانی لیڈروں سے ملے تو ان کی آمد سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، چنانچہ پاکستانی لیڈروں کو اس بات کا سخت افسوس ہوا کہ انہوں نے ۱۱ ستمبر کی فوجی کارروائی کو ملتوی کیوں رکھا۔

ادھر محمد دین تاثیر اور شیخ صادق حسن جب شیخ صاحب کو پاکستان آنے کے لیے منا رہے تھے تو شیخ صاحب کو دہلی سے پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک پیغام ملا جس میں ان سے فوری طور پر دہلی آنے کی تاکید کی گئی تھی۔

شیخ صاحب مخمصے میں پڑ گئے ــــ "میں اِدھر جاؤں یا اُدھر جاؤں۔"

کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پاکستان کے بجائے ہندوستان جائے گا۔ اب ان کی نظروں میں پاکستان کے بجائے ہندوستان کے لیڈر قابل بھروسہ تھے۔ ہندوستان نے انہیں پاکستان میں گرفتار کیے جانے کا جو انجکشن دیا تھا وہ ان کی رگ رگ میں سرائت کر گیا تھا۔

ڈاکٹر تاثیر نے جب نا امید ہو کر ان سے پوچھا۔ "کیا آپ پاکستان نہیں آئیں گے؟" تو شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں! میں اُن ٹانگہ بانوں کے پاس نہیں جاؤں گا، اُن پر کوئی بھروسہ نہیں۔"

چنانچہ وہ دہلی کے لیے روانہ ہو گئے ــــ دہلی ایر پورٹ پر ان کا شاندار گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔

اس وقت شیخ محمد عبداللہ نہ کوئی سربراہ مملکت تھا نہ کسی ملک کا وزیر اعظم لیکن اُن کا جو شاندار گارڈ آف آنر اور استقبال کروا کر انہیں وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کا خصوصی مہمان بنانے کا اعزاز بخشا گیا یہ محض پاکستان کو نیچا دکھانے اور پاکستانی لیڈروں کو جلانے کے لیے تھا۔ بھارت نے شیخ عبداللہ کو حاصل کر کے پاکستان کے لیے جیتی ہوئی بازی ہار میں بدل دی ۔ پنڈت نہرو کی سرکاری کوٹھی ۷ یارک روڈ پر شیخ عبداللہ کی خوب مہمان نوازی کی گئی۔ رات کو دیر تک دونوں محو گفتگو رہے۔ کافی دیر کے بعد پنڈت نہرو نے اٹھ کر "گڈ نائٹ" کہا اور وہ اپنے کمرے میں گئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے دروازہ کھول کر شیخ صاحب سے پوچھا۔

"آپ کچھ انجوائے تو نہیں کریں گے۔"

شیخ صاحب نے آج کی رات آرام کرنے کا اظہار کیا۔

صبح جب شیخ صاحب ناشتہ کی میز پر آئے تو پنڈت جی نے ان کو پدما جا نائیڈو سے متعارف کرایا اور شیخ صاحب سے کہا جب تک آپ یہاں رہیں گے یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔



جواہر لال نہرو شیخ عبداللہ پدما جا نائیڈو

اگلے روز ناشتہ کی میز پر ان کے ساتھ مردولا سارا بائی تھی۔ مردولا سارا بائی نے شیخ صاحب کو اپنا دوست بنایا اور مرتے دم تک ان کے ساتھ یہ دوستی نبھائی۔ دوسرے دن غلام محمد صادق لاہور سے دہلی آئے تو پنڈت جی کی کوٹھی پر صادق صاحب نے شیخ صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجی، صادق صاحب کو کچھ دیر کے لیے انتظار کرایا گیا۔ کمرے سے وجے لکشمی پنڈت باہر آ گئی تو صادق صاحب کو اندر بلایا گیا۔

ابھی صادق صاحب شیخ عبداللہ سے شیک ہینڈ کر ہی رہے تھے کہ پنڈت جی آ گئے اور صادق صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

کہو، پاکستان سے کیا خبر لائے ہو؟"

تینوں آمنے سامنے جب بیٹھ گئے، تو صادق صاحب شیخ صاحب سے کشمیری میں بولے "شیخ صاحب! وہ آپ کی وعدہ خلافی پر ناراض ہیں لیکن پھر بھی آپ کو بلا رہے ہیں اور بڑی امیدوں سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ محمد علی جناح نے تاکید کی ہے کہ آپ مجھ سے لاہور راولپنڈی یا پشاور جہاں آپ کی مرضی ہو مجھ سے ملیں، انہوں نے مجھے آپ کے لیے ایک خط بھی دیا۔"

صادق صاحب شیخ عبداللہ سے کشمیری میں اس لیے بولے تاکہ پنڈت جی سمجھ نہ سکیں لیکن شیخ صاحب نے فوراً صادق صاحب کی زبانی سنی باتیں پنڈت جی کو اردو میں بتا دیں اور یہ بھی بتا دیا یہ میرے لیے وہاں سے ایک خط لائے ہیں۔"

شیخ صاحب کے اس طریقہ اظہار نے صادق صاحب کی پوزیشن کچھ مضحکہ خیز بنا دی خط کے بارے میں وہ جو رازداری رکھنا چاہتے تھے وہ انہوں نے طشت از بام کر دی۔ اب صادق صاحب کو خط پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ انہوں نے اندرونی جیب سے خط نکال کر شیخ صاحب کو پیش کیا جسے انہوں نے پنڈت جی کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔

اس خط میں نواب زادہ لیاقت علی خاں نے محمد علی جناح کی طرف سے شیخ صاحب کو پاکستان آنے کی دعوت دی تھی اور ان سے تاکید کی تھی کہ آپ بھارت کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے میں فریق نہ بنیں تاکہ پاکستان کے کاز کو نقصان نہ پہنچ سکے ہم اس بات کو پھر دہراتے ہیں کہ اگر کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جائے گا تو پاکستان دفاع، رسل و رسائل اور خارجہ پالیسی کے معاملات کے علاوہ اور کسی بات کا طالب نہیں ہوگا۔ پاکستان خارجہ پالیسی مرتب کرنے میں کشمیر کے مشوروں اور مفادات کا پورا خیال رکھے گا۔

شیخ عبداللہ ابھی خط پڑھ ہی رہے تھے کہ پنڈت پریم ناتھ بزاز اندر داخل ہوئے خط مکمل ہوا تو پنڈت نہرو نے پنڈت پریم ناتھ بزاز کو ساری صورت حال سے آگاہی دلائی۔

پاکستانی لیڈروں کو شیخ عبداللہ کی ان کی دعوت ٹھکرا کر دہلی جانے کی حرکت نے سخت مشتعل کر دیا۔ وہ بھارتی لیڈروں کے ساتھ شیخ عبداللہ کی اس سازش کا توڑ کرنے کے لیے فوج کشی کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ نے جو وعدہ پاکستان کے ساتھ کیا تھا یہی وعدہ وہ ہندوستان سے بھی

کر چکا تھا۔ ان دونوں میں سے انہوں نے صرف بھارت کے ساتھ کیے گئے وعدے کا پاس کیوں کیا ——؟

صاف ظاہر ہے کہ آپ ابتدا سے نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ناقابل اعتبار سمجھ رہے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی اور کانگریس کے نظریات کی پیروی میں شیخ عبداللہ بھارت کے ان لیڈروں پر یقیناً سبقت لے گئے جنہوں نے مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ دراصل ملک کی تقسیم شیخ صاحب کے انا کے خلاف تھی۔ پاکستان کا وجود ان کے نظریئے کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا۔ ان کا ذہن برسوں سے کانگریس کے سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ وہ صرف کانگریس کا نظریہ قبول کر چکا تھا۔ تمام حالات پر وہ کانگریس کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور سیاسی طور پر وہ صرف کانگریس کے ہی ہمنوا رہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نیشنل کانفرنس میں رہ کر وہ کانگریس کے لیے کام کر رہے تھے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔ چونکہ مسلم لیگ کا نظریہ ان کے اپنے نظریئے کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے کشمیر کے بارے میں کانگریس کی ہر بات انہیں میٹھی اور مسلم لیگ کی بات کڑوی لگتی تھی۔

پنڈت نہرو نے کشمیر کو بھارت کا سر قرار دیا اور کہا اس سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت کوئی حقیقت نہیں شیخ صاحب نے تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا۔ محمد علی جناح نے کشمیر کو بلینک چیک کہا تو شیخ صاحب نے انہیں آستین کا سانپ کہا۔

یہاں شیخ عبداللہ پر کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا اور پنڈت نہرو کی کوٹھی پر شیخ عبداللہ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے جو روپیوں کی تھیلی پیش کی گئی اس کو بھی سودا بازی نہیں کہا جا سکتا، ایک ایسا شخص جو ذات پات اور رنگ اور نسل کے تفرقات سے دور ہو وہ مسلم لیگیوں کی بات کیسے مان سکتا تھا۔ جبکہ مسلم لیگ کو ذہنی طور پر کبھی انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔

ان حالات میں پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے راغب کرنا انہیں ایک غلط قدم اٹھانے کی طرف مائل کرنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ ورنہ اگر دوسری صورت ہوتی تو پاکستان میں ان کی گرفتاری کا شوشہ ان پر کوئی خاص

اثر نہیں کرتا، کم از کم وہ اس کی حقیقت جاننے کی ضرور کوشش کرتے۔

چونکہ انہیں لوگوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی اور عام لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے ہر صحیح اور غلط فیصلے پر آمنا و صدقنا کر رہے تھے لہٰذا انہیں ان کے فیصلے سے باز رکھنا محال تھا۔ البتہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کے ان نظریات کے ساتھ بہت سارے لوگ اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن شیخ صاحب ایسے لوگوں سے نپٹنا خوب جانتے تھے۔

شیخ صاحب کے پاس سرینگر کے ڈرائیوروں، ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں کی جو پلٹن تھی وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج سے ہرگز کم نہ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیخ صاحب کی فوج سامان حرب سے مبرا تھی لیکن وہ مخالفین کو دبانے اور زیر کرنے کے لیے کافی تھی ـــــ شیخ عبداللہ نے وقت وقت پر اس پلٹن کو استعمال میں لا کر مخالفین کو دبا کر رکھ دیا۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ اگر شیخ عبداللہ کے پاس سرینگر کے ڈرائیوروں ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں کی پلٹن نہ ہوتی تو ریاست کے حالات آج بالکل مختلف ہوتے۔ مسلم کانفرنس کے مقابلے میں نیشنل کانفرنس الیکشن ہار جاتی تھی، لیکن اس پلٹن کے سامنے مسلم کانفرنس بے بس تھی۔

ریاست کے بیشتر لوگ شیخ عبداللہ پر کشمیریوں کی تقدیر کے ساتھ کھیلنے کا جو الزام لگا رہے ہیں اس الزام کا جتنا ذمہ دار شیخ محمد عبداللہ ہیں اس سے کہیں زیادہ یہی ڈرائیور اور قصائی ہیں۔

سرینگر کے ڈرائیوروں، ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں نے اپنے کمانڈر کے اشارے پر یہاں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کو کہیں بھی ٹکنے نہیں دیا۔ مسلم کانفرنسیوں اور مسلم لیگیوں کو اس پلٹن کے ہاتھ نہ صرف زدکوب کرایا گیا بلکہ جہاں کہیں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کا پرچم، بورڈ اور بینر نظر آیا اس کو اکھاڑ کر پھینکوا دیا اور تب تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک اس پلٹن کے ہاتھوں وادی میں مسلم اتحاد کو نیست و نابود نہ کروایا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کوئی پس و پیش نہیں اگر شیخ عبداللہ کو سرینگر کے ڈرائیور، ٹانگہ بان، قصائی اور پھیری والے ساتھ نہ دیتے تو ہندوستان اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا، کشمیر یا تو آزاد اور خود مختار ہوتا نہیں تو اس کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوا ہوتا اور یہ ضروری نہیں

کہ یہ سب کشمیر کے مفاد میں ہوتا۔

شیخ محمد عبداللہ اصل میں چاہتے کیا تھے اور کرتے کیا تھے؟ اس کے بارے میں کوئی بھی شخص حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، شیخ عبداللہ کو سمجھنا جتنا دشوار معاملہ ہے اتنا اور کوئی معاملہ نہیں۔

۱۹۴۷ء کا سال کشمیر کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سال شیخ محمد عبداللہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہے تھے۔

بھارتی رہنماؤں کے ساتھ عہد و پیماں کے باوجود وہ الحاق کے بارے میں پاکستان کے ساتھ ساز باز کر کے بھارت کو دغا دے رہے تھے۔ اور اس کے لیے غلام احمد جوکر کے گھر میں باضابطہ مشاورتیں ہو رہی تھیں۔ ان مشاورتوں میں چوہدری حمید اللہ خاں، مولوی نورالدین، غلام نبی گلکار، غلام احمد گمکر، عبدالغنی ترالی، مولوی عبدالرحیم، عبدالسلام وکیل، شیخ صادق حسن، صوفی محمد اکبر منشی نصیرالدین اور دوسرے احباب شامل ہوتے تھے۔ ہندوستان اور پاکستان کو چھوڑ کر کشمیر کو آزاد رکھنے کا پلان ہاؤس بوٹ "کلیئر ماؤنٹ" میں بن رہا تھا۔ یہاں ان کے ساتھ غلام احمد عشائی، بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ، پیر افضل مخدومی بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی، ڈاکٹر اشرف، ڈاکٹر فل ایڈمینڈز، مس سٹاور وغیرہ شامل ہوا کرتے تھے اور اس طرح ہندوستان کے ساتھ پاکستان کو بھی فریب دیا جا رہا تھا۔

تیسرا محاذ انہوں نے لال چوک کے ہوٹل "کارونیشن" میں کھولا تھا یہاں مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرانے کا پلان بن رہا تھا اور تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد کشمیر کا مہاراجہ بننے کا راستہ ہموار کیا جا رہا تھا۔ ہوٹل کارونیشن کی منٹگوں میں ان کے ساتھ مولوی غلام نبی ہمدانی، مولوی محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، غلام محی الدین زہرا مستری یعقوب علی اور سردار گوہر رحمان ہوا کرتے تھے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کو ہٹانے کے لیے جو محاذ کام کر رہا تھا اس کے نزدیک ہی دوسرا خفیہ محاذ بھی کھولا گیا تھا اور اس خفیہ محاذ پر مہاراجہ کے ساتھ صلح کر کے وزارتی کونسل میں شامل ہونے کا پلان بن رہا تھا۔

اس طرح آزادی اور خود مختاری کا لباس پہن کر منہ میں رام رام اور بغل میں چھری دبا کر بیک وقت کئی ناؤ پر سوار ہو کر بھارت کے ساتھ وعدہ وفائی اور پاکستان کے ساتھ

الحاق پر کام ہو رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک میٹنگ میں شرکت کی جاتی تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ صبح کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کی میٹنگ میں شریک ہوئے تو دن کو آزادی کا پلان بنایا اور شام کو پاکستان کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ بیچ میں اگر کچھ وقت بچا تو مہاراجہ ہری سنگھ کا دوست یا دشمن بننے کے فیصلے میں گزر گیا۔ یہ پریشانی کا ایسا عالم تھا جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔

شیخ محمد عبداللہ کو بحیثیت ایک قومی لیڈر تسلیم کر کے اور ان پر بھرپور اعتبار کر کے کشمیری قوم کے حصے میں اول اور آخر یہی پریشانی آگئی ـــــ اور بس۔!



شیخ محمد عبداللہ

باب ـــ ۴

کشمیر پر قبائلی حملہ اس کے اسباب اور دستاویز الحاق

رہِ حیات سراسر بھری ہے کانٹوں سے
قدم قدم پہ مصیبت ہے آدمی کے لیے

جُز

۱۔ کشمیر میں قبائلیوں کے آمد کی وجوہات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۱

۲۔ کشمیر پر قبائلی پٹھانوں کا حملہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۷

۳۔ قبائلی حملے کے بارے میں بھارت اور پاکستان
کا ردِ عمل۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۰۱

۴۔ قبائلیوں کے بارے میں اندرونی اور بیرونی
مفکروں کے تاثرات۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۱۱

۵۔ الحاق، دستاویز الحاق
اور رائے شماری کی حقیقت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۲۱

۶۔ چھ برقعہ پوشوں کی کہانی۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۳۷

میری صورت دیکھ کر محفل پریشاں ہوگئی
اب زباں پر شکوۂ بیداد لانا ہے فضول

کشمیر میں قبائلیوں کے آمد کی وجوہات

برصغیر کی تقسیم کا اعلان کرنے کے ساتھ سرکار انگلشیہ نے ریاستوں کے سراہوں کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر کسی وجہ سے یوم آزادی یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک اپنی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ نہ کر پائیں انہیں دو مملکتوں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے جون کا توں معاہدہ STAND STELL AGREMENT کر لینا چاہیے تاکہ رسل و رسائل اور ڈاک و تار کا سلسلہ برقرار رکھا جا سکے اس ہدایت پر مہاراجہ بہادر نے پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ہندوستان نے اس معاہدے میں کوئی دلچسپی نہیں لی، انہوں نے کوئی بھی معاہدہ کرنے سے قبل سیاسی قیدیوں کی رہائی پر زور لگا دیا۔ کیونکہ شیخ عبداللہ کی عدم موجودگی میں یہاں اُن کے مفاد کی رکھوالی کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ مہاراجہ بہادر نے بھارت کی یہ رائے محفوظ رکھ کر پاکستان کے ساتھ عارضی معاہدہ کر لیا اس طرح ڈاک و تار اور کئی دوسرے محکموں پر پاکستانی پرچم لہرانے لگے (قبائلی حملے کی صورت میں جب بھارت کے حق میں پانسہ پلٹا تو ان محکموں کے ملازمین پر عوامی حکومت نے پاکستانی جھنڈے لہرانے کا نذلہ اُتار کر انہیں نوکریوں سے خارج کر دیا۔) برصغیر کی تقسیم کے وقت نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ اور مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری غلام عباس خاں جیل میں تھے۔ شیخ عبداللہ "کوئٹ کشمیر" اور چوہدری عباس "آزاد کشمیر" کی تحریک کے سلسلے میں مقید تھے۔

کانگریس نے شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور اس کے

کے لیے شیخ عبداللہ اور مہاراجہ کے درمیان صلح کرانے میں تیزی لائی، مہاراجہ بہادر نے یہ کہہ کر ان کی رہائی نامنظور کر دی کیونکہ انہیں باضابطہ طور پر عدالت نے سزا کا مرتکب ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن، مہاتما گاندھی، سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی کی ذاتی مداخلت کی وجہ سے یہ صورت نکل آئی کہ اگر شیخ عبداللہ مہاراجہ کا تابعدار رہنے کا اقرار کر کے ایک معافی نامہ لکھ کر دیں تو ان کی رہائی کی صورت نکل سکتی ہے۔

برصغیر کی تقسیم سے قبل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سازش کے بارے میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے اس کا آغاز اصل میں ۱۹۳۵ء میں ہوا اور اس نے حتمی صورت ۱۹۳۹ء میں حاصل کر لی اور برصغیر کی تقسیم ۱۹۴۷ء کو اسے مکمل طور پر دونوں طرف قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ وعدہ توڑ کر جب شیخ عبداللہ پاکستان جانے کے بجائے ہندوستان گئے اور دہلی میں پنڈت جواہر لال نہرو کے خاص مہمان بن گئے تو انہوں نے کشمیر پر بزور طاقت قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس دوران جموں، میرپور، پونچھ اور مظفر آباد میں مسلمانوں کے قتل عام اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے اور انہیں زندہ جلانے کے واقعات اخبارات میں شائع ہو گئے تو پاکستان کے مسلمان مشتعل ہوئے اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے مطالبے کرنے لگے۔

مسلمان مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے پاکستان میں داخل ہوئے تو ان کی زبانی مظالم کی لرزہ خیز داستانیں سن کر مظاہرے ہونے لگے اور حکومت سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ علاقہ جموں کے بیشتر مسلمانوں کا خاتمہ ہونے کے بعد اب کشمیری مسلمانوں کی مدد کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھائے۔

دراصل تقسیم ملک کے ساتھ ہی پورے صوبہ جموں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ جموں میں پاکستانی سرحدوں سے ملحقہ علاقوں میں قتل و غارت کا یہ عالم تھا جدھر دیکھو لاشیں ہی لاشیں ہیں۔ زمینوں پر فصلوں کی طرح لاشیں پڑیں مل گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ مہاجرین نے پاکستان سرحد پار کر کے پناہ لی تھی۔

۱۸ اکتوبر کے روز صرف ایک دن میں اور وہ بھی جموں شہر میں چار ہزار مسلمان قتل کیے گئے۔ آر۔ ایس۔ ایس۔ کے رضاکار اور سکھ جوان سارے صوبہ جموں میں تلواروں

کرپانوں، رائفلوں اور آٹومیٹک ہتھیاروں سے لیس دندناتے پھرتے تھے اور جہاں کہیں مسلمان نظر آیا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یورپ کے ایک نامور مصنف لارڈ برڈوڈ نے لکھا ہے۔

"مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا ریاست میں جنگل کے اس قانون کی علمداری کے نتیجے میں ۵ لاکھ مسلمانوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی اکتوبر کے اختتام تک پاکستان پہنچنے والے مہاجرین کی تعداد دس لاکھ ہو چکی تھی۔"

جموں کے مسلمان اقلیت میں تھے۔ اس لیے اس طرح کا کوئی جارحانہ اقدام کا مقابلہ تو کر نہیں سکتے تھے جس طرح کہ پونچھ میرپور اور مظفر آباد کے مسلمان کر رہے تھے۔ اس کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے کمال بہادری کے ساتھ ڈوگروں کا مقابلہ کیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ تعداد اور اسباب میں قلیل ہونے کے سبب جان تو دے سکتے تھے لیکن ڈوگروں کو شکست نہیں دے سکتے۔

جموں کے مسلمان خاک اور خون کے آخری دنوں میں منظم ہو چکے تھے اور چند محفوظ مقامات پر قبضہ کر کے مدافعت کر رہے تھے۔ اکتوبر کے آخر میں انڈین ہائی کورٹ کے ایک جج کنور دلیپ سنگھ نے مقامی مسلمانوں سے کہا کہ اگر وہ مقابلے سے باز آئیں تو انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔

دراصل یہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کا پلان تھا۔ کیونکہ وہ جموں کے دورے پر آتے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اس یقین دہانی پر ہتھیار ڈال دیئے۔

۶ نومبر کو سینکڑوں ٹرکوں میں مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر مشتمل قافلہ پاکستان کے لیے روانہ ہوا اور جب قافلہ کو ہالہ پل کے قریب پہنچا جو کشمیر اور مغربی پنجاب کی سرحد کے قریب ہے ان ٹرکوں کو روک دیا گیا۔ ایک ایک ٹرک میں کوئی سو اور اسی مرد و زن سوار تھے۔ ان سبھوں کو ٹرکوں سے اترنے کو کہا گیا اور پھر پہاڑی کے ایک درے کے پاس لے جا کر انہیں لائنوں میں کھڑا کیا گیا۔ حسین کنواری جوان لڑکیوں کو چن چن کر الگ کیا گیا اور باقی تمام جانوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

انسانی خون میں اپنے پاؤں ڈبو کر جب وہ ان کنواری جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے لینے لگے تو یہ منظر ..... اس کو بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وہ جوان کنواری لڑکی جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے ماں باپ اور بہن بھائی قتل کئے گئے ہوں اور اس کی عصمت لوٹنے کے لیے اسے زندہ رکھا گیا ہو، اس کی حالت کا اندازہ کرنا اور پھر ضبط تحریر میں لانا ــــ کم از کم میرے لیے نہایت ہی مشکل ہے۔

مسٹر آئن اسٹیفن جو "اسٹیٹسمین" کے ایڈیٹر تھے۔ اپنی کتاب HORNED MOON میں لکھتے ہیں۔ "۱۹۴۷ء کے خزاں تک تقریباً ۵ لاکھ مسلمانوں کی یہ آبادی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی ان میں سے تو دو لاکھ کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔"

لندن ٹائمز ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں نام و نشان مٹنے والے مسلمانوں کی تعداد ۲ لاکھ ۳۷ ہزار بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے ۱۵ اکتوبر سے گاؤں کے گاؤں جن میں سالیاں، جندالہ، سمیال، کوٹلی، نول دتا، چیرالہ اور ان سے ملحق دیہات شامل تھے۔ ان میں آگ لگائی گئی اور ان کے مکین زندہ جلائے گئے۔ مشکل سے ایک فیصد مسلمان زندہ بچ گئے۔ کشمیر ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر جی۔ کے۔ ریڈی نے لکھا ہے۔

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے پاکستان کی طرف جانے والے بے بس اور نہتے مسلمان مہاجرین کو غنڈوں اور سپاہیوں کے ہاتھوں گولیوں کی بوچھاڑ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ راج پورے کے گاؤں میں، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے میرا اضطراب اور بھی سوا ہو گیا۔ میں نے دیکھا یہاں ریاست کے بعض آفیسروں اور فوجی حکام ایک مسلح جتھے کو مسلمان مہاجرین پر حملہ آور ہونے اور انہیں ختم کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ پورے راستے میں یہ منظر میں نے دیکھا کہ ریاست کے ہندو آفیسران نہایت آزادانہ طور پر ڈوگروں کے ہاتھوں اسلحہ اور گولہ بارود تقسیم کر رہے ہیں۔

جموں کے جس ہوٹل میں مجھے رکھا گیا تھا وہاں میں نے صرف ایک رات کو ۴۷ گاؤں جلتے دیکھے۔ ساری رات ہوٹل کے قریب مسلمان مہاجر کیمپوں میں آٹومیٹک ہتھیاروں کے چلنے اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ چاروں طرف خون آگ اور دھواں نظر آ رہا تھا۔"

لارڈ برڈوڈ اپنی کتاب "دو قومیں اور کشمیر" میں لکھتے ہیں۔

"جموں کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے آر۔ ایس۔ ایس کے رضا کار پورے

صوبے میں پھیل چکے تھے۔ ان کے ساتھ امرتسر سے سکھوں کی ایک بہت بڑی کھیپ درآمد کی گئی تھی۔ اگست کے آخر میں، ہزار رائفلیں جو جموں کے قلعوں میں بارود کے ساتھ موجود تھیں ان میں تقسیم کی گئیں اور انہیں آٹومیٹک ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دی گئی بعد میں چیف آف آرمی سٹاف بریگیڈیر اسکاٹ نے شہادت دی کہ اسے جموں سے مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

ان سارے خونی واقعات کو سن کر اور کچھ کچھ دیکھ کر پاکستان کے مسلمان سخت جذباتی ہو گئے۔ پاکستان کے کئی شہروں میں کشمیر کے مسلمانوں کے بچاؤ میں مظاہرے ہونے لگے۔ وسط اکتوبر میں لیاقت علی خاں نے ایک تار کے ذریعے مسلمانوں پر اس ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج کیا اور مہاراجہ سے مطالبہ کیا کہ اس کی حکومت ٹھوس اقدام کے ذریعے اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے نہ صرف پاکستان کو مورد الزام ٹھہرایا بلکہ پاکستان کو معنی خیز انداز میں دھمکی بھی دی۔

وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے جواب میں لکھا۔

"پاکستان کے باشندے کشمیر کے حدود میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ کشمیری باغیوں کی مدد کر رہے ہیں اگر ان پاکستانی باشندوں کو واپس نہ بلایا گیا تو میری حکومت کشمیر سے باہر مدد طلب کرنے کے لیے مجبور ہو گی۔"

وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے اس الزام کی صاف الفاظ میں تردید کی اور تحقیقات کی تجویز جو کشمیر گورنمنٹ نے پیش کی تھی اسے اپنی منظوری دیدی۔ لیکن مہر چند مہاجن نے فوری طور پر تحقیقات کی تجویز واپس لے لی اور باہر سے امداد حاصل کرنے کی دھمکی کو "دوستانہ امداد" حاصل کرنے کی تجویز میں بدل دی۔ "روڈ ٹو کشمیر" نامی کتاب کے مصنف کے مطابق قائداعظم نے سخت احتجاج کیا اور لکھا، باہر سے امداد حاصل کرنے کی دھمکی یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی حکومت کا حقیقی مقصد محض انڈین یونین میں شامل ہونے کے لیے موقع تلاش کرنا ہے۔"

مہر چند مہاجن دراصل اس قسم کے حالات پیدا کر رہا تھا جس کے جواز میں بھارت سے امداد طلب کر کے اس کے ساتھ ملنے کا موقع ملے۔

قائداعظم نے اپنے خط میں یہ دعوت بھی دی حکومت کشمیر کو اگر پاکستان سے کوئی شکایت ہے تو اس کی حکومت کا کوئی نمائندہ کراچی آکر حکومت پاکستان سے تفصیلی گفتگو کرے نیز غیر جانبدارانہ تحقیقات عمل میں لائی جائے۔" اس کے بعد کئی تاریں کشمیر گورنمنٹ کو دی گئیں لیکن کوئی جواب نہیں گیا۔

وزیراعظم مہرچند مہاجن نے بھارت کا ایجنٹ بن کر ساری صورت حال سے مہاراجہ کو بے خبر رکھا، بھارت مہاراجہ ہری سنگھ کی ڈانوا ڈول پالیسی سے بدظن ہو چکا تھا اور وہ بزور طاقت کشمیر پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اور اس کاروائی میں مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری بھی شامل تھی۔ اس ساری کاروائی کے بارے میں مہرچند مہاجن کو اعتماد میں لیا گیا تھا۔

انہوں نے بھارتی فوج کو کشمیر میں لانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈال کر فوجی امداد کی گنجائش پیدا کر رہا تھا ــــ پاکستان کو اس کی شہہ مل گئی تھی۔

ان واقعات کے بعد پاکستان کے لیے ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ کشمیر پر حملہ کرنے کی پہل کریں۔ ڈیلی ٹیلیگراف لندن کے نمائندے نے ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا ہے۔

"قبائلیوں کے ابتدائی حملے کی دو وجوہات تھیں جموں میں ان کی ہم مذہب بھائیوں پر ظلم و تشدد کی لرزہ خیز داستانیں اور ریاست میں بغاوت کی حوصلہ افزا خبریں۔"

چنانچہ پاکستان کے قبائلی جتھوں کو مسلح کر کے کشمیر کی چڑھائی پر بھیجا گیا۔

نیک ناموں نے ڈبو دی ناؤ ننگ و نام کی
اور جو بدنام تھے بدنام ہی رہتے رہے

کشمیر پر قبائلی پٹھانوں کا حملہ

کشمیر پر قبائلی حملے کی وجوہات میں علاقہ جموں کے مسلمانوں کا قتل عام اور ہندوستان کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کر کے کشمیر پر بزور طاقت قبضہ کرنے کے انکشاف کا جو جواز ملتا ہے اس میں شیخ عبداللہ سے انتقام لینا بھی خارج از امکان نہیں۔ کیونکہ اُن کی نظروں میں شیخ عبداللہ علاقہ جموں کے لاکھوں مسلمانوں کے قتل اور غارت گری میں غیر مسلموں کا شریک کار بن گیا تھا۔

خان عبدالقیوم خاں نے ہندوؤں سے دوستی اور مسلمان سے دشمنی کرنے کا شیخ عبداللہ پر الزام لگایا اور کرنل خورشید انور کی سربراہی میں ریاست پر مسلح حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چوہدری محمد علی اور سر ظفر اللہ نے شیخ عبداللہ کی وعدہ خلافی اور بے اعتنائی کا سخت نوٹس لیا اور انہوں نے کشمیر کو بزور طاقت حاصل کرنے کا عزم کیا۔

اس سلسلے میں محمد علی جناح سے رائے مانگی گئی تو انہوں نے کشمیر پر یلغار کرنے سے پہلے بھارت کا راستہ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ شیخ عبداللہ کے دہلی کے قیام کے دوران قبائلیوں کا ایک جتھہ پونچھ میں ڈوگرہ فوجیوں سے برسرپیکار تھا۔ پونچھ کے ساتھ ساتھ یہ قبائلی میرپور علاقے میں بھی پھیل چکے تھے۔ قبائلی پٹھانوں کی اس نقل و حرکت پر بھارتی رہنما نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں لارڈ مونٹ بیٹن نے جنرل ڈیگلس گریسی کو پہلے ہی اپنے اعتماد میں لیا تھا۔ اس کے علاوہ پنجاب کے ڈپٹی کمشنر ایم۔ ایم احمد کو بھی ہم خیال بنایا گیا تھا۔

کشمیر کو بھارت کے ساتھ ملانے کی صورت میں پاکستانی حکمرانوں کی شرارت سے لارڈ مونٹ بیٹن، سردار ولبھ بھائی پٹیل، پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ عبداللہ پورے واقف تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس کی پہلے ہی پیش بندی کر لی تھی۔ میجر امیر افضل کی ڈائری کے مطابق محمد علی جناح نے جب پنجاب میں نواب ممدوٹ اور سرحد میں خان عبدالقیوم خاں سے رابطہ قائم کیا کہ وہ کشمیر اور جموں میں رضاکار بھیجیں اس پر فیصلہ ہوا کہ ایک ہی دن میں صوبہ سرحد کے مجاہدین ایبٹ آباد سے مظفر آباد کے علاقہ میں اور پنجاب کے رضاکار سیالکوٹ، ظفروال اور شکر گڑھ سے جموں کے علاقے میں داخل ہو جائیں گے۔

سرحد پار کے مجاہدین نے تو مقررہ وقت پر مظفر آباد سے سرینگر کی طرف کوچ کرنا شروع کیا مگر سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر ایم۔ ایم احمد نے پنجاب کے مجاہدین کو جموں کی طرف جانے سے روکا۔ انہوں نے سیالکوٹ سے فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد بھیج دیا اور اس کی جگہ ۱۵ پنجاب رجمنٹ کو انبالہ سے لایا گیا۔ اس ساری کاروائی کا مقصد وقت ضائع کرنا تھا۔

ان تمام حالات سے محمد علی جناح کو بالکل بے خبر رکھا گیا۔

جب جناح صاحب نے پوچھا پنجاب کے مجاہدین نے جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کیوں نہیں کیا؟ تو انہیں بتایا گیا پنجاب سے مجاہدین آدھر جانے کے لیے تیار نہیں۔

محمد علی جناح نے پاکستانی فوج کے انگریز کمانڈر انچیف میسروی سے راولپنڈی میں فون کیا وہ نہ ملا۔ ان کے ڈپٹی کمانڈر انچیف جنرل گریسی سے کہا گیا کہ فوج کشمیر میں داخل ہو جائے اس کے لیے یہ عذر پیش کیا گیا کہ پہلے سر کلاڈ آکنلک سے مشورہ کرنا ضروری ہے جنرل گریسی کے اس ٹال مٹول نے جو وہ لارڈ مونٹ بیٹن کی ہدایت پر کر رہے تھے پاکستان کے لیے مشکل ترین صورت حال پیدا کر دی۔

بقول ایڈمرل احسن لیاقت علی خاں نے فوری طور پر کابینہ کی میٹنگ بلائی جو کئی گھنٹے تک کسی فیصلے تک نہ پہنچ سکی، جب قائداعظم نے لیاقت علی خاں سے پوچھا فوج کیوں ریاست میں داخل نہیں کی گئی تو انہیں معقول جواب نہیں دیا گیا۔

انہیں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جنرل گریسی اس میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔

مختار احمد نے اپنی کتاب "مسئلہ کشمیر" میں لکھا ہے۔ "فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک کی

اجازت کے بغیر کمانڈر انچیف جنرل گریسی کی طرف سے بھارتی فوجوں کے خلاف کاروائی سے انکار کا کوئی جواز نہیں تھا چونکہ ۳۰ جون کو افواج کی تقسیم کا طریق کار طے کرنے کے لیے پارٹیشن کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں وائسرائے ہند اور بھارتی نمائندوں کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک تھے اس اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ جب تک افواج کی تقسیم مکمل نہ ہو جائے فیلڈ مارشل آکنلک دونوں ممالک کی افواج کے سپریم کمانڈر رہیں گے لیکن اس دوران انہیں ملٹری آپریشن کے اختیارات حاصل نہیں ہونگے چونکہ افواج کی تقسیم مکمل ہو چکی تھی اور وہ اختیارات سے محروم ہو چکے تھے لہٰذا ان کی اجازت حاصل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لیے بھی کہ جس وقت جنرل گریسی نے قائداعظم کے سامنے یہ عذر رکھا کہ وہ سپریم کمانڈر آکنلک کی مرضی کے بغیر کشمیر میں فوجیں نہیں بھیج سکتا اس وقت سر آکلک کو سپریم کمانڈر کے عہدے سے اپنی معزولی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس صورت میں وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ جنرل گریسی کو اس کی اجازت کی ضرورت پڑتی۔

راولپنڈی میں برٹش آفیسروں کا رویہ تو یہ تھا اور اُدھر دہلی میں بھارتی فوج کا کمانڈر انچیف سر راب لاک ہارٹ نہ صرف یہ کہ جنگ میں حصہ لے رہا تھا بلکہ شمال مغربی سرحد میں اپنے سابقہ فوجی تجربات سے بھی انہیں مستفید کر رہا تھا۔ ایک اور انگریز افسر میجر جنرل سر ڈڈلے رسل نے کشمیر پر بھارتی حملے کی کمان خود سنبھال رکھی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر انگریز جنرلوں نے بھارت کی طرف سے جنگ کا آغاز کرنے کے لیے سپریم کمانڈر کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تو پاکستانی کمانڈر انچیف کو اس اجازت کی کیا ضرورت تھی؟"

اس کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کانگریسی سیاست کے ایک مہرے کی حیثیت سے کھل کر سامنے آچکا تھا۔

بھارتی فوج جب دھڑا دھڑ جہازوں کے ذریعے سرینگر ایئر پورٹ پر اترنے لگی اور جہاز آسمان کی فضاؤں میں گن گرج پیدا کر کے قبائلیوں کا حوصلہ پست کرنے لگے تو پاکستان اپنا ہوائی بیڑا حرکت میں لانے کے بارے میں صلح مشورہ کر رہا تھا۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے اس کی اطلاع برطانوی سرکار کو ہارٹ لائن پر بھیجدی تاکہ وہ

مداخلت کر کے انگریز فوج کو اس میں ملوث نہ کرے کیونکہ پاکستانی فوج کی کمانڈ اس وقت انگریز آفیسروں کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ کلیمنٹ ایٹلی نے لیاقت علی خاں کو متنبہ کیا کہ اگر پاکستان کے ہوائی جہاز ہندوستانی ہوائی جہازوں کے مقابلے میں آئے تو وہ پاکستانی فوج سے اپنے آفیسر واپس بلا لیں گے۔

اس اطلاع کے ملتے ہی پاکستانی حکمراں انگریزوں کی خاص طور پر لارڈ مونٹ بیٹن کی اس سازش سے واقف ہو گئے اور محمد علی جناح نے ایک ہنگامی میٹنگ میں فرمایا۔

"مجھے یہ کہنے میں اب کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ گورداسپور کے ایک ایسے حصے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا محض اس لیے بھارت کے حوالہ کیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے، پاکستان نے ریڈکلف ایوارڈ کو دیانتداری سے قبول کیا تھا لیکن دوسری طرف شروع ہی سے نیت میں فتور تھا اور کشمیر کا جھگڑا اسی فتور کا نتیجہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

دراصل لارڈ مونٹ بیٹن تمام حالات سے واقف تھا۔ اس لیے انہوں نے پاکستان کے اڑنے کے سارے پر پہلے ہی کاٹ دیے تھے۔ وہ بغیر پر اڑنے لگا تو اسے فوری طور پر اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا۔

دراصل پاکستان میں مقیم انگریز سول اور فوجی آفیسر بھارت کے لیے مخبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ جب قبائلی خفیہ طور پر کشمیر کی طرف پیش قدمی کرنے کی تیاری کرنے لگے تو فوری طور پر اس کی اطلاع دہلی پہنچا دی گئی۔ انڈین کمانڈر انچیف کو یہ اطلاع پاکستان کے انگریز فوجی آفیسروں نے پہنچا دی۔ وی۔ پی۔ مینن نے اپنی کتاب "کشمیر اور جوناگڈھ" کی کہانی میں لکھا ہے سر جارج کنگھم گورنر صوبہ سرحد نے جنرل لاک ہارٹ کو جو ہندوستانی فوج کے کمانڈر انچیف تھے اور کنگھم سے پہلے صوبہ سرحد کے گورنر بھی رہ چکے تھے بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا کہ قبائلی پٹھان نقل و حرکت شروع کر رہے ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے پریس اتاشی مسٹر کیمبل جانسن نے بھی اپنی ڈائری میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ میٹنگ میں جنرل لاک ہارٹ نے ایک ٹیلی گرام پڑھ کر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستانی فوج کے ہیڈ کوارٹر سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ تقریباً ۵ ہزار قبائلی

پٹھان مظفر آباد اور ڈومل پر قابض ہو گئے ہیں۔

اس طرح دہلی کو قبائلی پٹھان کی آمد کی اطلاع ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملی۔ ۲۵ اکتوبر کو انڈین ڈیفنس کمیٹی کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا گیا۔ جس میں بھارتی کابینہ کے ممبران، محکمہ ریاستی امور کے سیکرٹری مسٹر وی۔ پی۔ مینن، انڈین ایر فورس اور آرمی کمانڈر انچیف اور گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن شریک تھے۔ دفاعی کمیٹی کے شرکاء میں سے بیشتر کی یہ رائے تھی کہ مہاراجہ کی مدد کے لیے فوری طور پر فوج بھیجی جائے بلکہ تینوں فوجوں کے سربراہ کو حکم بھی دیا گیا کہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت کی سکیم تیار کر کے کمیٹی میں پیش کریں۔ اس کے بعد آرمی، نیوی اور ایر فورس کے کمانڈر انچیف کا دستخط شدہ خط جاری کیا گیا اس میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ۲۵ اکتوبر کی صبح کو ہمیں ہدایت دی گئی ہے کہ کشمیر میں سڑک اور فضا کے ذریعے فوجیں بھیجنے کا نقشہ تیار کریں۔ ۲۵ اکتوبر کی سہ پہر کو تینوں شاخوں کے سربراہوں نے انڈین آرمی اور ایر فورس کا ایک ایک سٹاف آفیسر بذریعہ طیارہ سرینگر بھیجا۔

یہ ساری کاروائی اس وقت ہو رہی تھی جب مہاراجہ ہری سنگھ دستاویز الحاق اور فوجی امداد کی درخواست سے کوسوں دور تھا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ مہاراجہ کی طرف سے فوجی امداد کی جس درخواست پر عمل درآمد کی یہ ساری کاروائی ۲۵ اکتوبر کو جاری تھی وہ درخواست ابھی دی ہی نہیں گئی تھی مہاراجہ نے فوجی امداد کی پہلی درخواست ۲۶ اکتوبر کو دی۔ پی۔ مینن کے ہاتھ الحاق کی دستاویز کے ساتھ روانہ کی جبکہ کاروائی ۲۵ اکتوبر کو ہی شروع کی گئی، اس کی تصدیق حکومت ہند کی شائع کردہ کتاب DEFENDING KASHMIR سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ لارڈ مونٹ بیٹن کے اس خط جس میں فوجی کاروائی کا ذکر ہے۔ اس پر ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی تاریخ اور صبح نو بجے کا وقت درج ہے حالانکہ صبح چھ بجے بھارتی فوج سرینگر کے ہوائی اڈے پہ اتر چکی تھی۔

اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مہاراجہ ہری سنگھ دستاویز الحاق پر دستخط کرتے یا نہ کرتے وہ فوجی امداد کی درخواست دیتے یا نہ دیتے بھارتی رہنما کشمیر میں فوجی کاروائی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اگر مہاراجہ اس کاروائی میں کسی قسم کی رکاوٹ بنتے تو پھر ان سے بھی نپٹ لیا جاتا۔ یہاں پریم ناتھ بزاز اور رام چند کاک کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر قائد اعظم نے حکم دیا کہ مختلف چھاؤنیوں سے فوج بلائی جائے اور اسے سیالکوٹ کی طرف آگے بڑھا کر جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دی جائے مگر اس حکم پر بھی بعض دشواریاں حائل ہو گئیں، یہاں پر پاکستان کو گرداسپور کی تقسیم کا احساس ہوا اور اسے یہ جاننے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ جموں کے راستے سے کشمیر جانے کا راستہ تو ہم نے خود ہی مسدود کر دیا ہے۔

چنانچہ جلد بازی میں خان عبدالقیوم خاں کی ہدایت پر کرنل خورشید انور کی سرکردگی میں پانچ ہزار قبائلی پٹھانوں کو کشمیر کی مہم پر روانہ کیا گیا۔

قبائلی جتھوں میں جو لوگ شامل تھے ان میں وزیری، مسعودی، آفریدی، شنواری، مہمد، مہمنڈ، اورکزئی وغیرہ قابلِ ذکر تھے۔ ۱۹ اکتوبر کو ایک بڑی لشکر ٹانک سے روانہ ہوئی جس نے ۲۱ اکتوبر کی رات مظفر آباد کے راستے ریاست کی طرف پیش قدمی کی مظفر آباد سے ان کے ساتھ میجر اسلم خاں بھی شامل ہوئے۔

اسی دوران مسلم لیگ کی طرف سے ایک ایکشن کمیٹی بنائی گئی اور اس کے صدر ریٹائرڈ آرمی آفیسر پیر محمد خان (ایر مارشل اصغر خاں کے ماموں) بنائے گئے۔

قبائلی پٹھانوں کو مختلف گروپوں میں بانٹا گیا۔ دو ہزار افراد پر مشتمل ایک پلٹن ۲۱ اور ۲۲ اکتوبر کی درمیانی رات کو گڑھی حبیب اللہ کے راستے مظفر آباد پر حملہ آور ہوئی دو میل کے پاس کرنل نرائن سنگھ کی سرکردگی میں ڈوگرہ آرمی کی فورتھ جموں و کشمیر انفنٹری تعینات تھی اس میں سے نصف سے کم مسلمان تھے۔ کرنل نرائن سنگھ نے انہیں دو میل پُل کو تباہ کرنے کو کہا تو بٹالین کے مسلمان آفیسروں اور جوانوں جن کی قیادت کیپٹن محمد اعظم خاں کر رہے تھے۔ بغاوت کر کے ان کی پُل اُڑانے کی کوشش ناکام بنا دی، اس حرکت کی پاداش میں مسلمانوں کی یہ ساری نفری ماری گئی لیکن کرنل نرائن سنگھ بھی ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے۔ اس لڑائی میں مظفر آباد کے ڈپٹی کمشنر مسٹر مہتہ بھی مارے گئے۔

ڈوگرہ آرمی کے چیف آف آرمی سٹاف بریگیڈیر راجندر سنگھ مظفر آباد آئے تو اس وقت قبائلیوں نے مظفر آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے واپس بھاگتے ہوئے اڑی کے پاس پُل کو تباہ کر کے دو روز تک قبائلیوں کو روکے رکھا۔

اوڑی کی مقامی آبادی نے دو روز تک رات دن محنت کر کے دوبارہ اس پر پُل کو چلنے

کے قابل بنا دیا۔ اوڑی سے نکل کر قبائلی جتھوں نے مہورہ پاور ہاؤس کو اڑا کر سرینگر شہر کو اندھیرے میں ڈبو دیا۔

مظفر آباد سے بارہمولہ تک قبائلیوں نے چیف آف آرمی سٹاف بریگیڈیر راجندر سنگھ کے ساتھ ڈوگرہ فوج کا خاتمہ کر دیا تو مہاراجہ حواس باختہ ہو گئے۔

ڈوگرہ فوج کی ۱۰ ہزار نفری پر مشتمل اور آزمودہ کار اور منظم آرمی کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور باقی تتر بتر ہو کر رہ گئی۔

آرمی میں شامل مسلمان سپاہیوں اور آفیسروں نے بغاوت کر کے مجاہدین کا ساتھ دیا جبکہ نوجوان اور آفیسر بادامی باغ چھاؤنی میں روپوش رہے۔

بھارتی جنرل ایل۔ پی۔ سین "سلنڈر وار تھرڈ" میں ان مسلمان آفیسروں اور جوانوں کی بغاوت اور پوشیدہ رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قبائلی بارہمولہ میں داخل ہوئے اور اسی روز بھارتی فوج صبح چھ بج کر دس منٹ پر سرینگر کے ایر پورٹ پر اترنی شروع ہو گئی۔

بھارتی فوج کی پہلی بٹالین لفٹننٹ کرنل رائے کی سرکردگی میں بارہمولہ پہنچی تو قبائلیوں نے صرف چند گھنٹوں میں اس بٹالین معہ اس کے کمانڈر کا صفایا کر دیا۔

کرنل خورشید انور اس فتح سے پھولے نہیں سمائے انہوں نے کشمیر کو فتح کرنا آسان سمجھا اور وہ اس فتح کے نشے میں کشمیر کا حکمران بننے کا خواب دیکھنے لگا۔ بجائے اس کے کہ وہ سرینگر کی طرف پیش قدمی کرتا انہوں نے کشمیر کو فتح کرنے کی صورت میں یہاں کا حکمران بننے کا فیصلہ کرنے کیلئے پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور وہاں سے جواب کے انتظار میں دو دنوں تک انہوں نے قبائلیوں کو روکے رکھا جب انہیں کوئی جواب نہیں ملا تو انہوں نے سرینگر کی طرف پیش قدمی کر دی اسی دوران محمد مقبول شیروانی نے انہیں راستہ کا دھوکہ دے کر ان کے پورے سولہ گھنٹے ضائع کر دئے جس کی پاداش میں شیروانی کو سولی پر چڑھا کر بڑی بے دردی سے مارا گیا۔ حالانکہ کرنل خورشید انور کشمیریوں کی نظروں میں پھانسی کا مستحق تھا جنہوں نے سلطانِ کشمیر بننے کے لیے قبائلیوں کو دو دنوں تک بارہمولہ میں روکے رکھا۔

۲۹ اکتوبر کو قبائلی شالہ ٹینگ پہنچے تو یہاں ان کے مقابلے میں بھارتی فوج مورچہ زن تھی۔ یہاں بھارتی فوج کے ساتھ قبائلیوں کی دو بدو لڑائی ہوئی۔ بھارت کی طرف

سے توپ خانہ اور ایر فورس کا استعمال ہوا تو ان قبائلیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ چنانچہ وہ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے بھاگنے لگے۔

قبائلیوں کا ایک جتھہ جس کی قیادت میجر شیر علی کر رہے تھے۔ بڈگام سے ہوائی اڈے کی طرف پیش قدمی کی اس جتھے کو ہندوستان آرمی نے روک دیا۔ ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر کو اس جتھے نے ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لڑائی کے دوران ہندوستان کمپنی کا کمانڈر میجر شرما کے ساتھ کئی سپاہی جان بحق ہوئے۔ پاکستانی سپاہی جو لڑائی میں بچ گئے بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

۸ نومبر کو قبائلی بارہمولہ کو بھی خالی کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔ اسی روز جنرل طارق نے اوڑی کے محاذ پر آزاد فوج کی کمان سنبھالی، انہوں نے کئی پل تباہ کرا دئے چکوٹھی کے پاس ہندوستانی فوج کی پیش قدمی روک دی گئی اس کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے مداخلت کر کے پنڈت نہرو کے ذریعے جنرل ہیرالال اٹل سے ہندوستانی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

شیخ محمد عبداللہ مظفر آباد کے مسلمانوں کو وادی کے ساتھ ملانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے پنڈت نہرو کو بتایا اگر اُدھر کے لوگ اِدھر کے لوگوں کے ساتھ مل گئے تو وہ میری حکومت کو پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لیے ایک مسئلہ بن جائیں گے۔ وہ لوگ بہادر اور زیرک ہیں لہٰذا وہ اِدھر کے لوگوں کو اُکسائیں گے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ان کو الگ ہی چھوڑ دیا جائے۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کا مشورہ قبول کر کے فوج کو آگے جانے سے روک دیا۔

اس طرح یک طرفہ جنگ بندی کے بعد نیشنل کانفرنس کی والنٹیر فورس نے اوڑی سے بارہمولہ تک نظر گذر رکھنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اس کام کی نگرانی مولانا محمد سعید مسعودی اور صوفی محمد اکبر کے ذمہ رکھی گئی۔ فورس کی کمان عبدالسلام ہمدانی کامریڈ غلام محمد آف بڈگام، محمد اسماعیل بٹ، محمد جمال آخون، عبدالرحمان گلکار، غلام محمد نجار، محمد صدیق پرے اور محمد مقبول کے سپرد کی گئی۔

اوڑی سے بارہمولہ تک ہندوستانی فوج کا مکمل قبضہ ہوا تو یہ بات آشکار ہوئی کہ قبائلی حملہ آوروں نے چن چن کر یہاں کے سکھوں سے جموں کے مسلمانوں کا بدلہ لیا ہے۔

انہیں "بال والا کافر" کہہ کر قتل کیا گیا ہے۔

۱۰ نومبر کو نیشنل کانفرنس کے بعض لیڈر اپنے رضا کاروں کے ہمراہ ۲۵ لاریوں میں سوار ہو کر سرینگر سے بارہمولہ کی طرف روانہ ہوئے یہ قافلہ بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی اور صوفی محمد اکبر کی قیادت میں مسلح افواج کی نگرانی میں اقلیت کا اعتماد بحال کرنے کے لیے بارہمولہ پہنچا۔ یہاں پر ان لیڈروں نے پبلک جلسہ کیا اس جلسہ میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے ساتھ بھارتی آرمی کے میجر کلونت سنگھ، بریگیڈیر سین اور کرنل پریتم سنگھ نے بھی شمولیت کی، جلسہ کے بعد یہ لوگ جلوس کی صورت میں جامع مسجد گئے جہاں محمد مقبول شیروانی کی لاش دفنائی گئی تھی۔ مولانا مسعودی نے یہاں فاتحہ پڑھی، بخشی غلام محمد نے شیروانی کو خراج عقیدت پیش کیا، صوفی محمد اکبر نے ان کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کیا۔ اسی دوران بارہمولہ کے نیشنل کانفرنسی ورکروں نے چوہدری فیض اللہ، عمراؤ خان اور مہر علی کو پکڑ کر سامنے لایا اور ان پر قبائلیوں کی طرفداری کرنے کا الزام لگایا گیا۔

اگلے روز مولانا مسعودی اور صوفی محمد اکبر کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کا والنٹیر دستہ بریگیڈیر سین کی نگرانی میں بارہمولہ سے اوڑی کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں قبائلی حملہ آوروں کی طرف سے کھڑی کی گئیں رکاوٹیں ہٹانے کے بعد جب یہ قافلہ اوڑی پہنچا تو کسی بھی جگہ قبائلیوں کی شکل وصورت انہیں نظر نہ آئی اوڑی سے سات میل آگے بھارتی فوج نے چوکی کھڑی کر دی تھی۔

قبائلیوں کے واپس بھاگنے کی کاروائی سے پاکستانی حکمران سخت بے دل ہو گئے۔ قبائلیوں کی ہزیمت کا جائزہ لیا گیا تو کرنل خورشید انور قصوروار گردانے گئے۔ جنہوں نے کشمیر کا حاکم بننے کے لیے دو دنوں تک بارہمولہ میں قبائلیوں کو روکے رکھا۔ انہیں نوکری سے برطرف کیا گیا اور نئی فوج کو منظم کر کے بریگیڈیر شیر خان کی کمان میں ریاستی حدود میں داخل کیا گیا۔

جنرل اکبر خاں عرف جنرل طارق کو موجودہ افواج کا چیف آف اسٹاف مقرر کیا گیا۔ جنرل طارق نے منتشر ہوئے قبائلیوں اور سابقہ فوجیوں کو اکٹھا کر کے نئے محاذ کھولے اور وہ کئی دنوں تک بھارتی فوج کے ساتھ برسرپیکار رہے۔

جنوری ۱۹۴۸ء کو انہیں واپس ہیڈ کوارٹر بھیجدیا گیا اور بریگیڈیر حبیب الرحمان کو چیف

آف آرمی سٹاف بنایا گیا۔ جنرل محمد زماں کیانی اس ساری کمان کے آرگنائزر اور کمانڈر انچیف تھے۔ جنرل کیانی نے پاکستان کے وزیر دفاع کے حکم سے کرنل تجمل حسین، کرنل اشرف کرنل راجہ ارشد، کرنل کمال حسین، کرنل عنایت اللہ، کرنل عبید اللہ، کرنل برہان الدین کیپٹن خضر محمد، میجر اسلم اور کیپٹن محمد یوسف کی کمان میں کئی محاذوں پر زوردار حملے کرائے۔

ریاست میں قبائلی حملے کے ساتھ ہی افراتفری، انتشار اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا، مختلف قسم کی پریشان کن افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے بھاگنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے تو انہوں نے وادی کے اطراف سے غیر مسلم پناہ گزینوں کو محفوظ مقام پر پہنچانے کا انتظام کیا، چنانچہ ان کے لیے ضلع اننت ناگ سے ۳۶ کوچ بانوں کی خدمت حاصل کر لی گئیں۔ ان کوچ بانوں نے غیر مسلموں کو اپنے مقام پر صحیح سلامت پہنچا تو دیا لیکن خود وہ زندہ بچنے سے قاصر رہے۔ صرف ایک کوچ بان زخمی حالت میں بچ سکا اور انہی سے باقی کوچ بانوں کے سفاکانہ قتل کی اطلاع اسلام آباد کے بعد سرینگر پہنچ گئی تو ایک گرم لہر سی دوڑ گئی۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی طرف سے ایک ہنگامی میٹنگ میں غیر مسلموں کو تحفظ دینے کا فیصلہ لیا گیا تاکہ کوچ بانوں کے سفاکانہ قتل سے پیدا شدہ صورت حال کا تدارک کیا جا سکے۔ بخشی غلام محمد کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں نے ہاتھ میں ڈنڈے لے کر حساس علاقوں میں گشت لگانا شروع کیا۔

شیخ عبداللہ نے نہایت ہی عجلت میں جگہ جگہ تقریریں کر کے فرقہ وارانہ اتحاد برقرار رکھنے پر زور دیا اس سلسلے میں امیرا کدل میں انہوں نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے تلقین کی کہ وہ ریاست میں ایک ایک غیر مسلم فرد کی مکمل حفاظت کریں۔ انہوں نے والنٹیر فورس قایم کرنے کا بھاؤ دیا چنانچہ نوجوانوں نے دھڑا دھڑ اس فورس میں نام لکھوانا شروع کیا۔ اگلے چند روز میں اس والنٹیر فورس نے امیرا کدل میں پلیڈیم کے سامنے اپنا پہلا مظاہرہ کیا، اسی روز یہ فورس "پیس بریگیڈ" کہلایا۔ اشتراکی نظریات رکھنے والے جوانوں نے امیرا کدل کو لال چوک کے نام سے منسوب کیا، لال چوک کو روس کے ریڈ سکوائر کے نام پر لال چوک کا نام دیا گیا۔

پیس بریگیڈ کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اس میں کوئی ۵ ہزار کے قریب جوان درج ہو گئے بعد میں اس فورس نے نیشنل ملیشیا اور پھر کشمیر ملیشیا کی صورت اختیار کر لی۔

ملیشیا کے نگران خواجہ غلام محمد صادق مقرر ہوئے۔ اِدھر بخشی غلام محمد نے بیرونی

حملے کی روک تھام اور اندرونی امن و امان کی برقراری کے لیے ایک دفاعی کمیٹی تشکیل دی اور اس کی ہیت ترکیبی بھی خود کر دی۔

جنرل کوآرڈی نیشن اور جنرل ملیشیا۔ بخشی غلام محمد
پیس بریگیڈ۔ غلام محی الدین سہرانی زہرا۔
ہنگامی اقدامات۔ غلام محمد صادق۔
دفتری امور۔ پنڈت شیام لال صراف
پناہ گزینوں کے معاملات۔ پنڈت کیشپ بندھو۔
صحت و صفائی۔ ڈاکٹر شمبھو ناتھ پشن
مواصلات۔ بخشی عبدالمجید
خبر رسانی و معلومات۔ احسن اللہ گنائی۔
تلاشی و ضبطی۔ غلام حسن میر

یہ دفاعی ڈیفنس کمیٹی اکتوبر ۱۹۴۸ء کے اختتام تک بڑی شد و مد سے کام کرتی رہی شیام لال واٹھ نے پیس بریگیڈ کے درجن بھر والنٹیروں کی مدد سے بادامی باغ چھاؤنی کے اسلحہ خانے پر دھاوا بول کر کئی بندوقیں اور گولہ بارود حاصل کر لیا۔ چنانچہ یہ سب مہاجر حکومت کے ان سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا جو مہاراجہ کے بھاگنے کے بعد ملیشیا میں شامل ہوئے تھے۔ ان بندوقوں کے دیکھا دیکھی پیس بریگیڈ کے دوسرے جوانوں نے لکڑی کے بندوق بنوا کر انہیں اپنے کاندھوں پر لے کر ان کا مظاہرہ کیا، لکڑی کے بندوقوں کا چلن اتنا بڑھ گیا کہ نیشنل کانفرنس میں جو وومنز ڈیفنس کور کی وِنگ بنائی گئی اس نے بھی لکڑی کے بندوق حاصل کر کے انہیں کندھوں پر لے کر مارچ پاسٹ میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا۔


رشید تاثیر

رشید تاثیر نے "تحریک حریت کشمیر" جلد ۳ میں وومنز ڈیفنس کور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"پیس بریگیڈ سے ہی کئی اور نیم عسکری تنظیمیں وجود میں آئیں جن میں ہوم گارڈ، کشمیر آرمڈ پولیس، سپیشل سٹاف، فیلڈ سروے

آرگنائیزیشن قابل ذکر ہے۔ حکومت نے مردوں کے دوش بدوش خواتین کو بھی فوجی ٹریننگ دینی لازمی سمجھا۔ چنانچہ ڈیفنس وومنز کور کے نام سے ایک جداگانہ تنظیم زینب بیگم (خواجہ غلام محمد صادق کی ہمشیرہ) کی سرکردگی میں قائم کی گئی۔ جس میں ان کے علاوہ مس محمودہ ساجدہ ضمیر احمد، ہمدم جان، ترپتھ کور، مسز مٹھا سنگھ، سمترا لکھوارہ، کارگی، شیلا بھاٹیہ، اوشا ہنس، سعادت سہدانی، سمترا کوہلی، بیگم کشفی، مسز بیدی، جانہ بیگم گونی کھن، فرزی دیدنے نمایاں حصہ لیا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر زنانہ پارک (جہاں اب سیکرٹریٹ کی بلڈنگ ہے) میں قائم کیا گیا۔ تقریباً پانچ سو کشمیری خواتین نے یہاں تھری ناٹ تھری چلانے کی مکمل ٹریننگ حاصل کر لی۔ فختہ بٹالین کے نام سے کشمیری خواتین رضا کاروں کو سٹریٹ فائٹ ٹریننگ دی گئی۔"

فختہ بٹالین کے بغیر بھی ایک ونگ تھی جو پس برگیڈ کی طرز پر شہر میں اپنی سرگرمی جاری رکھی ہوئی تھی۔ اس برگیڈ میں درج بالا خواتین کے علاوہ زونہ گوری بھائی، فاطمہ بائی، جان بی بی نادپورہ، نفہ آپا دولت آباد، زون دیدی ٹنکی پورہ، مسز محمد رجب، مسز جلال الدین خاتی دیدی، فضی صوفی، خاطی صوفی اور دوسری خواتین شامل تھیں۔ تحریک حریت میں ان خواتین کا کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ محترمہ ناصرہ صدیقی کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرکے کارناموں کو ضرور اجاگر کیا گیا ہے۔



ساجد ضمیر احمد　　مس محمودہ　　زینب بیگم





اوپر:- ریاست پر قبائلی حملے کا ایک منظر
نیچے:- محمد مقبول شیروانی جنہیں قبائلیوں نے راستہ بھٹکانے کی پاداش میں گولیوں سے چھلنی کر دیا۔



۱۹۴۷ء کے عوامی مقابلے کا ایک منظر

کوئی تو اپنے لہجے میں دکھ کی، سکھ کی لکھوائے گا
ہم بھی بیٹھے ہیں رستے میں کاغذ، قلم دوات لئے

قبائلی حملے کے بارے میں بھارت اور پاکستان کا ردعمل

قبائلیوں کے خلاف فوجی کاروائی کے دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان کے نام ایک ٹیلیگرام زیر نمبر ۲۲۵ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء بھیجی۔

"ہمارا یہ وعدہ کہ امن و امان قائم ہوتے ہی ہم اپنی فوجیں واپس بلا لیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام کی مرضی پر چھوڑ دیں گے صرف آپ ہی کے سامنے نہیں ہے بلکہ ریاست کے عوام اور پوری دنیا کے سامنے ہے۔"

بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو کی طرف سے یہ ایک ایسی یقین دہانی تھی جس پر اعتبار کر کے ان حالات کا انتظار کیا جا سکتا ہے جس کی ضرورت تھی لیکن پاکستان نے بھارتی وزیراعظم کی اس یقین دہانی پر جو خدشہ ظاہر کیا وہ اُس تار سے ظاہر ہے جو وزیراعظم پاکستان نے برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی کے نام ۲۴ نومبر کو روانہ کیا۔

"بھارتی حکومت اور پنڈت نہرو کشمیر میں رائے شماری کا جو بار بار وعدہ کر رہے ہیں وہ محض دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے وزیراعظم نے بھارت کے وزیراعظم کی یقین دہانی پر اعتبار کیوں نہیں کیا اور انہوں نے اس یقین دہانی کو دھوکہ سے تعبیر کیوں کیا؟ اس کی وجوہات غالباً یہ تھیں۔

بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو تابع رائے شماری رکھنے کے موقع پر شیخ عبداللہ نے اس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا جب الحاق ہو گیا تو رائے شماری کی کیا ضرورت ہے۔ اس موقع پر پنڈت نہرو نے شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا "یہ سب دکھاوا ہے"۔ اس بات چیت سے پریم ناتھ بزاز واقف تھے اور انہوں نے رائے شماری کے بارے میں پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیان بات چیت کے حقائق واضح کر دئے۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لارڈ مونٹ بیٹن سر آکنلک اور جنرل گریسی کے ساتھ مشورہ کے بعد لاہور میں دونوں وزیر اعظموں کی ملاقات کا جو پروگرام طے ہوا تھا اس میں پنڈت نہرو بیماری کے کارن شریک نہیں ہو سکے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے مٹنگ میں پنڈت نہرو کی بیماری کی تصدیق کر دی لیکن لارڈ مونٹ بیٹن کے ساتھ جو انگریز آفیسر آیا ہوا تھا اس نے قائد اعظم کو صاف صاف بتایا۔ مٹنگ میں شریک نہ ہونے کے لیے بیماری کا بہانا بنایا گیا۔

چنانچہ پنڈت نہرو کی غیر موجودگی میں میٹنگ میں جو تجویزیں محمد علی جناح نے پیش کیں وہ بقول لارڈ برڈوڈ۔

"یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ جناح کی تجاویزیں نہایت منصفانہ تھیں اور مسئلے کے موثر حل کی ایک دیانتدارانہ کوشش پر مبنی تھیں ان تجاویز کو مبہم قرار دینا حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔"

بھارت نے ایک عرصے تک ان تجاویز کا جواب دینا غیر ضروری سمجھا اور جب جواب دیا تو یہ استرداد کے مترادف تھا۔ نہرو کی جوابی تجویزیں یہ تھیں۔

۱۔ پاکستان "حملہ آوروں" کو ریاست سے نکالنے کی زیادہ سے زیادہ سعی کرنے کا پکا وعدہ کرے۔

۲۔ بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں موجود رہے گی جب تک کہ حملہ آور نکل نہیں جاتے۔

۳۔ رائے شماری اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہو۔

پاکستان نے پہلی دو شرطوں کو حیلوں اور بہانوں سے تعبیر کیا اور تیسری شرط کو

قبول کیا۔

پہلی دو شرطوں کے بارے میں پاکستان کا یہ خدشہ تھا کہ اس طرح بھارت ریاست جموں و کشمیر میں بھارتی فوج کے راستے میں مزاحم ہونے والی ہر چھوٹی بڑی قوت ہٹا رہا ہے۔ تاکہ اس کی فوجیں پوری ریاست پر آزاد علاقوں کے بشمول آسانی سے قبضہ کر سکیں اور ایک بار جب پورا قبضہ ہو جائے تو بھارت معاملے کو (FAIT ACCOMPLI) بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو جائے، پھر نہ اسے انجمن اقوام متحدہ استصواب عام کرنے پر مجبور کر سکے گی اور نہ ہی پاکستان۔

بالفاظ دیگر پنڈت نہرو کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے پوری ریاست پر ہمارا قبضہ ہونے دیجئے پھر بھارتی فوج کی موجودگی اور شیخ عبداللہ کی حکومت کی نگرانی میں استصواب بھی کرا لیں گے۔

اسی خدشہ کے کارن انہوں نے بھارت کے وزیر اعظم کی یقین دہانیوں پر اعتبار نہیں کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت وزیر اعظم آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے ۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو قوم کے نام خطاب کرتے ہوئے قبائلی حملے کے بارے میں فرمایا۔

"آپ نے سنا ہو گا کہ تقریباً ایک ہفتہ قبل انڈیا کی فوجیں کشمیر بھیجی گئی ہیں اس طرح سے افواج کا بھیجا جانا ایک عجیب بات تھی آپ نے اس وقت سمجھا ہو گا کہ کوئی بڑا خطرہ پیش ہے جس کے لیے تیزی سے انتظامات ہو رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک بڑا خطرہ درپیش آگیا نہ صرف کشمیر کے لیے بلکہ تمام ہندوستان کے لیے اور ہمیں نہایت ہی پیچیدہ اور اہم فیصلہ بڑی تیزی سے کرنے پڑے ہیں۔

ہمارے کچھ بھائی جو پاکستان میں رہتے ہیں انہوں نے حکومت ہند پر الزام لگایا ہے کہ ہماری حکومت نے تشدد سے کام لیا ہے اور دھوکہ دیا ہے پاکستان کی حکومت نے یہ الزام لگاتے ہوئے جو زبان استعمال کی ہے وہ کسی ذمہ دار کی زبان نہیں ہو سکتی اور ضروری نہیں کہ میں بھی اسی زبان میں جواب دوں کیونکہ میں ایک ذمہ دار حکومت اور عوام کی طرف سے بول رہا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ دھوکہ ہوا اور تشدد کیا گیا، میں کہتا ہوں یہ دونوں باتیں ہوئیں مگر کس کی طرف سے ہوئیں؟ اور اس کا ذمہ دار